

ہے دل کیلئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
(علامہ اقبال)

سائنس

علم و ترقی یا جہالت و تباہی
سائنسدانوں کی زبانی سنیئے

تھہ آب معاصی تھیں نئی دنیا کی ایجادیں
دہائی دے رہی تھیں ڈوبنے والوں کی فریادیں
(حفیظ جالندھری)

دنیا میں ہر سال 12 لاکھ افراد ٹریفک حادثات میں ہلاک ہوجاتے ہیں
حادثات کے باعث سالانہ 5 کھرب 18 ارب ڈالر کا نقصان ہوتا ہے لاکھوں افراد زخمی ہوکر معذور ہوجاتے

ترتیب و جمع
حضرت مولانا سعد اللہ چشتی صاحب مدظلہ العالی

مکتبہ افکارِ اہلسنت

سائنس

علم و ترقی یا جہالت و تباہی

سائنس دانوں کی زبانی سنیئے

ترتیب و پیش کش
حضرت مولانا سعد اللہ چشتی صاحب مدظلہ العالی

مکتبہ افکار اہلسنت، لاہور

من وجد اسم الله تعالى مكتوباً في ورقة

موضوعا في قذر وتر فقد كفر

(حاشية الصاوی علی تفسير الجلالين)

ترجمہ:

''جس نے کاغذ پر لکھا ہوا اللہ تعالیٰ کا نام گندگی پر پڑا ہوا پایا

اور اُس کو چھوڑ دیا یعنی نہ اُٹھایا تو یقیناً اُس نے کفر کیا۔''

نام کتاب: سائنس (علم وترقی یا جہالت وتباہی)

ترتیب وپیش کش: حضرت مولانا سعد اللہ چشتی صاحب مدظلہ العالی

ناشر: مکتبہ افکار اہلسنت، لاہور

فون: 0312-4586337, 0347-4022820

فہرست

سائنس دانوں کی زبانی

پیش لفظ

کیا جدید سائنس ترقی ہے؟

شرق را از خود بُرد تقلیدِ غرب
باید ایں اقوام را تنقیدِ غرب

(اقبال)

ترقی کا مطلب خیر کی طرف پیش قدمی ہے۔ اور انسان کے حق میں وہ علم وعمل ترقی قرار پائے گا جس سے انسانیت یعنی انسانی اخلاقِ عالیہ کو فروغ حاصل ہو جس سے انسانیت زوال پذیر ہوئے انسان کے حق میں ترقی کہنا سراسر ظلم اور حماقت ہے۔

بذات خود کوئی علم مذموم و برا نہیں کیونکہ علم صفت الھیہ ہے اور صفت الھیہ میں کمال وحسن کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہاں کسی علم کو بندوں کے حق میں اس وقت مذموم ضرور قرار دیا جائے گا جس وقت تمام انسان یا بعض کے حق میں دنیاوی یا اخروی لحاظ سے نقصان کا موجب ہو۔ لہٰذا جب مفید ہونے کی بجائے مضر ہو اس پر ضرور حکمِ جہل جاری ہو گا کیونکہ ذریعۂ شر شر ہوتا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَھْلًا یعنی بلاشبہ بعض علم جہالت ہیں۔ ابوداؤد شریف عربی جلد دوم صفحہ ۳۳۶۔ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ نے احیاء علوم الدین جلد اول میں وہ اسباب جن کی وجہ سے کسی علم کو انسان کے حق میں مذموم یا ناجائز قرار دیا جائے گا۔ ایسے اسباب کل تین شمار کرائے ہیں جن کا خلاصہ بمع توضیح درج ذیل ہے۔

پہلا سبب:

وہ علم سراسر خود متعلم کے لئے مضر ہو یا کسی اور کے لئے جیسے علم سحر وطلسمات یعنی جادو ٹونہ اس کا سیکھنا اس لئے حرام ہے کہ اس سے متعلم کا ایمان فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں کفریہ کلمات اور فحش الفاظ اور شیاطین سے استمداد ہوتی ہے، اس کا استعمال بھی حرام ہے کیونکہ خلق خدا تعالیٰ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

دوسرا سبب:

وہ علم سراسر نہیں بلکہ حد سے زیادہ باعث نقصان ہو جیسے علم نجوم اس کی اتنی مقدار کہ جس سے اوقات کار اور بحروبر کے سفر میں راہنمائی حاصل ہو محمود بلکہ ضروری ہے اگر کوئی اور ذریعہ نہ ہو اور اس سے زیادہ جس سے مستقبل کی خبر یا کسی کی آنے والی زندگی کے متعلق پیش گوئی کی جائے بلاشبہ مذموم ہے یہاں تک کہ نجومی کو کاہن کہا گیا اور اس کی تصدیق کو حدیث پاک میں تکذیب دین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی خدمت کی ایک وجہ عوام الناس کے عقائد وایمان کے خراب ہونے کا خطرہ ہے کہ وہ ستاروں کو موثر حقیقی سمجھیں گے یا نجومی کو غیب دان اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں دوسری وجہ اس کا محض تخمینی ہونا ہے یعنی صرف اٹھا سٹھا لگایا جاتا ہے نہ یقینی ہے نہ طب کی طرح ظنی تیسری وجہ اس کا بے فائدہ اور فضول ہونا ہے جس کا دنیا میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ تقدیر سے فرار ممکن نہیں اور آخرت میں سراسر نقصان ہے لہٰذا زندگی کے محدود ونہایت قیمتی جوہر کو فضول کام میں مصروف کر کے ضائع کرنا اور اپنی حیات اخروی کو نقصان دینا کسی عقل مند کا کام نہیں۔

تیسرا سبب:

وہ علم جو متعلم کی ذہنی سطح سے بلند ہو جیسے دقیق علوم کند ذہن کے لئے پڑھنا مذموم ہے۔

اس تحقیق کے بعد غور فرمائیں تو واضح ہوگا:

کہ جدید سائنسی علم یا ایجادات سراسر مذموم اور وہ علم ہے جو جھل سے بدتر ہے۔ انسان کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہے خیر نہیں شر ہے ترقی نہیں تنزل ہے جدید سائنسی علم اور ایجادات نے انسان کو ہلاکتوں سے دوچار کر دیا ہے جہاں ایک طرف انسان کو چند نفسانی سہولیات و لذات پیش کی ہیں تو وہاں دوسری طرف لاکھوں مشکلات اور صعوبتوں میں انسان کو الجھا دیا ہے۔ اگر چند دنیاوی فوائد مہیا کیے ہیں تو بے بہا دنیاوی و اخروی نقصانات کی بھی بھرمار کر دی ہے گویا سائنس نے ایک فیصد فائدہ اور ننانوے فیصد نقصان کیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

دینی نقصانات:

مادہ پرستی اور پر تعیش زندگی کی اندھی طلب نے قرآن وحدیث علوم شرعیہ جن کے بغیر انسانی فلاح ناممکن ہے کو خیر باد کرا دیا ہے۔ عقائد، اعمال صالحہ اور خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و اتباع کا جذبہ اور اخلاص و رضا جوئی حق تعالیٰ کی دولت عظمیٰ کو انسان سے چھین لیا ہے جرائم و فسادات مثلاً قتل و غارت، دہشت گردی شراب نوشی، زناکاری، چوری، ڈکیتی، جوابازی، چکر بازی، منشیات فروشی ملاوٹ عام کر دیئے ہیں۔ انسانیت ہمدردی، محبت، مہمان نوازی، ادب، سچائی، حیا، غیرت، نیازمندی یعنی تمام انسانی اقدار کا خاتمہ کر کے انسان کو یا حیوان بنا دیا ہے یا مشین کی طرح بے احساس بنا دیا ہے ان حقائق کا اعتراف پاکستانی کم بخت تعلیمی سربراہوں نے بھی کیا ہے۔ دیکھیں ساتویں کی اردو کتاب مروجہ سال کی صفحہ نمبر ۱۰۳-۱۰۴۔

دنیاوی نقصانات:

جانی ہلاکتیں، اجتماعی اموات، کثرت امراض، لاعلاج بیماریاں، ذہنی و قلبی پریشانی، مالی ضیاع اور بے روزگاری عام ہونا کیونکہ مشینری نے کئی کئی انسانوں کی جگہ کام کرنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں انسان بے روزگاری اور فراغت کا شکار ہو گئے۔ انہی تباہ کاریوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے سائنسی ایجادات کو اپنے انعام والے بندوں کے لئے پسند نہیں کیا اور عذاب ولعنت والوں کے لئے پسند کیا ہے اور نہ ہی ان بندگان خدا تعالیٰ نے قدرت ہوتے ہوئے ان کو مس کیا ورنہ جو لوگ شان الٰہی کے مظہر ہوں ان سے ایسے کاموں کا ہونا کیا بعید ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر اعلیٰ حضرت گولڑوی علیہ الرحمہ نے جدید سائنسی اسباب معیشت کو غیر شرعی اسباب زندگی سے تعبیر فرمایا تھا ملاحظہ ہو۔ مکتوب نمبر ۳۰۵ از مکتوبات طیبات جس کا خلاصہ مہر منیر صفحہ نمبر ۱۴۱ سے درج کیا جاتا ہے۔ سر عبدالقیوم نے لکھا کہ دیگر اقوام ہم مسلمانوں سے علم حاصل کر کے بہرور ہو چکی ہے مگر ہم خود اپنے بزرگوں کا ورثہ ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔ جواب میں حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا۔ آپ کے اس فقرہ پر تعجب ہوا مخدوما اللہ اور رسول کے نزدیک قدر والا علم علوم شرائع وادیان ہیں یعنی علوم الٰہیہ اور وہ بفضلہٖ تعالیٰ اپنے خدام سمیت محفوظ و مصئون ہیں۔

ہمارے نزدیک تا حال دیگر اقوام ان علوم سے بے بہرہ ہیں۔ پس آپ کے اس فقرۂ بالا کی صحت بالکل صورت پذیر نہیں ہوتی البتہ ہمارے ہاتھ سے ان علوم پاک کا نکل جانا اس صورت میں صحیح ہو جائے گا کہ اب بحسب ”کَلِمَةُ خَیْرٍ اُرِیْدَ بِهَا شَرٌّ“ ترقی اسلام کے نام سے کام لیا جائے۔ فَاللّٰهُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ٥ اس کے لئے صحیح عنوان ترقی اسلام نہیں ترقی اسباب معیشت

ہے اور وہ بھی غیر شرعی اسباب سے۔

ع برعکس نہند نام زنگی کافور

اس کے بعد ہم اور تم سے جو زندہ رہے گا دیکھ لے گا کہ اس طرز تعلیم کا اثر احکام شرعیہ، صوم وصلوٰۃ وغیرہ کو پس پشت ڈالنے اور ظاہری اعزاز وشکم پروری کے بغیر کچھ نہ ہوگا مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

وما علینا الا البلاغ

اور ایسی ہی خرابیوں اور مضر نتائج پر نگاہ رکھتے ہوئے علامہ اقبال قلندر لاہوری نے فرمایا تھا۔

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

حفیظ جالندھری مرحوم نے فرمایا۔

تہِ آب معاصی تھیں نئی دنیا کی ایجادیں
دہائی دے رہی تھیں ڈوبنے والوں کی فریادیں

یہی وہ مسائل اور مصائب ہیں جن کو جدید سائنس نے پیدا کیا ہے۔ اس حقیقت کو کوئی پاکستان سکولی غلامیانہ ذہنیت کا حامل تسلیم کرے نہ کرے خود یورپی سائنسدان تسلیم کر چکے ہیں جس کی مفصل کہانی خود سائنسدانوں کی زبانی آپ زیرِ نظر رسالے میں دیکھیں گے۔

فقیر محمد فضل احمد چشتی غفرلہ

(۱) الیکسس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

آج تہذیب جدید اپنے آپ کو بڑی مشکلوں میں پا رہی ہے کیونکہ وہ ہمارے لئے مناسب نہیں ہے۔ ہمارے حقیقی مزاج سے بغیر آشنائی کے اس کا وجود عمل میں آیا کیونکہ وہ سائنسی ایجادات انسانی شہوات ان کے اوہام ونظریات اور خواہشات کی پیداوار ہیں اور باوجود یہ کہ وہ ہماری کوششوں سے وجود میں آئی ہے ہمارے جسم اور ہماری شکل کی نسبت سے غیر مناسب ہے۔

(کتاب انسان نامعلوم، بحوالہ یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۳۶، از محمد انور بن اختر)

(۲) الیکسس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

صنعتی زندگی کی تنظیم میں مزدوروں کی عقلی اور عضویاتی حالت پر کارخانے کے اثرات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے موجودہ صنعت اس اصول پر قائم ہے کہ کم سے کم اخراجات میں زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ سکے۔

اس اصول کو وسعت تو دی گئی مگر ان انسانوں کی طبیعت پر غور نہیں کیا گیا جو مشینیں چلاتے ہیں اور ان اثرات کے بارے میں بھی نہیں سوچا گیا جن کو صنعتی زندگی پیدا کرتی ہے۔

اور کارخانے انہیں افراد اور اولاد پر مسلط کرتے ہیں۔

یہ نظریہ پرست جو تہذیبیں بناتے ہیں۔ باوجود یہ کہ وہ انسان کی بھلائی ہی کے لئے ہوتی ہیں۔ مگر وہ صرف انسان کی نامکمل یا مبالغہ آمیز تصویر کے

مطابق ہوتی ہیں۔ حکومتوں کے جو نظام، مفکرین تراشتے ہیں ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ فرانسیسی انقلاب کے اصول اور مارکس ولنین کے خیالات صرف جاہل لوگوں ہی پر بچے آتے ہیں۔

ہمیں یہ بات دماغ میں بٹھا لینی چاہیے کہ ہمیں انسانی روابط پر مشتمل قوانین کا کوئی علم نہیں ہے اور معاشرتی علوم اور اقتصادیات (معاشی علوم) صرف ظنی اور فرضی ہیں۔ (کتاب انسان نامعلوم ص ۴۴، بحوالہ یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۲۰۰-۲۰۱)

(۳) الیکس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

جو جماعتیں اور قومیں آج صنعتی تہذیب میں ترقی یافتہ ہیں یہی قومیں کمزور ہوتی جا رہی ہیں اور یہی قومیں سب سے پہلے دہشت و وحشت کی طرف لوٹیں گی مگر اس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سائنس نے اس تہذیب کے گرد جس قسم کے بدترین حالات پیدا کر دیئے ہیں۔ ان سے بچانے والا کوئی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے تمدن (رہن سہن) نے بھی گزرے ہوئے تمام تمدنوں کی طرح زندگی کے ایسے معین حالات پیدا کر دیئے ہیں۔ جو بذات خود زندگی کے وجود کو محال بنا رہے ہیں اور اس حقیقت کے اسباب کا ابھی تک علم نہ ہو سکا۔ انسان نامعلوم، ص ۴۳-۴۴، بحوالہ یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۲۰۱)

(۴) الیکس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

باوجودیکہ تہذیب جدید نے اپنے سفر کا آغاز بڑی خوش کن امیدوں

کے ساتھ کیا مگر یہ تہذیب ایسے انسان پیدا کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔ جس میں کسی قدر عقل و جرأت ہو اور وہ اس ڈوبتی کشتی کو پار لگا سکیں۔ کیونکہ انسان نے اس قدر تیز ترقی نہیں کی ہے جس قدر تیز ترقی تہذیب جدید کے بنے ہوئے عقلی نظاموں نے کی ہے چنانچہ دور جدید کی قومیں جس خطرے سے دوچار ہیں اور جس سے ان کے سیاسی وڈیرے فکر مند ہیں۔ وہ ان قوموں کا اخلاقی اور عقلی زوال ہے عقل قوت ارادی اور اخلاق ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں البتہ اخلاقی احساس عقل سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ جب یہ اخلاقی احساس کسی قوم سے نکل جاتا ہے تو اس کا معاشرتی اور اجتماعی وجود آہستہ آہستہ ختم ہو جاتا ہے۔

تہذیب جدید عقلی عمل کے مناسب کوئی ماحول پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے اکثر لوگوں کے عقلی اور روحانی زوال کا سبب وہ نقائص ہیں جو ان کی نفسیانی فضا میں موجود ہیں کیونکہ مادہ کی برتری اور صنعتی مذہب کے اصولوں نے ثقافت جمال اور اخلاق کو پامال اور ذلیل کر رہا ہے۔

(انسان نامعلوم، ص ۱۸۴، بحوالہ یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۰۱-۲۰۲)

(۵) الیکسس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

جدید معاشرہ اخلاقی احساس سے بالکل دور ہو چکا ہے اور اس احساس کے مظاہر تک کو مٹا دیا ہے۔ کیونکہ ہم ذمہ داریوں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔

اب تو حالت یہ ہے کہ جو لوگ خیر اور شر میں فرق کرتے ہیں اور محتاط ہو کر کام کرتے ہیں وہ تنگدست رہتے ہیں اور لوگ انہیں بڑی تنگدلی اور افسوس

کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ آج جو عورت اپنے آپ کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دے اور اپنا کچھ زیادہ خیال نہ رکھے اسے کمزور عقل والا خیال کیا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی اور بچوں کو تعلیم دینے کے لئے سرمایہ پس انداز کرے تو یہ سرمایہ کسی نہ کسی طرح حکومت اچک کر لے جائے گی۔

(انسان نامعلوم، ص ۱۸۵، بحوالہ یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۲۰۳)

(٦) ایلکس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

وحشیانہ مادیت نہ صرف یہ کہ عقلی ارتقاء کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ بلکہ نرم عادت شریف کمزور اور تنہا شخص کو کچل کر رکھ دیتی ہے اور ایسے لوگوں کو ختم کر دیتی ہے جو ذوق جمال رکھتے ہیں اور جنہیں دولت کے علاوہ کچھ اور اشیاء کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اکثر افراد کا جمال ظاہری و باطنی ذلیل ہو چکا ہے۔ کیونکہ صنعتی تہذیب نے انہیں اپنے جملہ بدنما اور بدصورت اور سخت مناظر کے ساتھ گھیرے میں لیا ہوا ہے یہ لوگ مشین بن چکے ہیں ایک ہی مزدور ایک ہی دن میں ایک ہی قسم کی حرکات ہزاروں مرتبہ کرتے ہوئے پوری زندگی بسر کر دیتا ہے۔ وہ مصنوعات کے اجزاء تیار کرتا ہے کوئی مکمل شے نہیں بناتا گویا اسے اپنی عقل کے استعمال کی اجازت نہیں اس کی مثال کولہو کے بیل کی سی ہے۔ جو سارا دن ایک ہی دائرے میں گردش کرتا رہتا ہے صنعت نے انسان کو اس عقلی عمل سے محروم کر دیا ہے۔ جس سے انسان کے لئے اپنی یومیہ زندگی میں لطف اندوز ہونا ممکن تھا۔ تہذیب جدید بدترین غلطی ہے کہ اس نے عقل کو مادہ کی قربانی گاہ کی بھینٹ چڑھا دیا۔ یہ

ایک ایسی خطرناک غلطی ہے جس سے خطرات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں کیونکہ کوئی بھی اس کے مدمقابل آنے کی ہمت نہیں کرتا اور سب نے اس کو اس طرح قبول کر لیا ہے جیسے انہوں نے بڑے بڑے شہروں کی مضر صحت زندگی اور کارخانوں کی قید و بند کو قبول کر لیا ہے۔

(انسان نامعلوم، ص ۱۲۶-۱۲۷ بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۲۰۳)

(۷) الیکس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

جدید معاشرہ فرد سے ناواقف ہے۔ وہ اپنے حساب میں بنی نوع انسان کو شمار نہیں کرتا۔ وہ صرف کائناتی حقیقت پر ایمان رکھتا ہے اور لوگوں سے اس کا تعامل بطور خلاصہ ہے فرد اور بنی نوع انسان کے بارے میں صنعتی تہذیب کے اضطراب و پریشانی نے اسے ایک بڑی غلطی میں پھنسا دیا ہے اور وہ یہ کہ وہ لوگوں سے برتاؤ مقررہ اصول پر کرتا ہے اگر تمام انسان مساوی ہوتے تو ان کی تربیت زندگی اور عمل بکریوں کے گلے کی شکل میں ہوتا۔ حالانکہ ہر انسان جداگانہ شخصیت کا مالک ہے اور ایک رمز کی طرح تعامل ممکن نہیں۔

(انسان نامعلوم، ص ۳۰۶ بحوالہ یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۲۰۴)

(۸) الیکس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

انسان وراثت اور ماحول کی پیداوار ہے اس کی زندگی اور فکر کی عادات وہی ہیں جو جدید معاشرے نے اس پر مسلط کر دی ہیں۔ ہم بتا چکے ہیں کہ عادات

کسی طرح انسانی جسم اور شعور پر اثر انداز ہوتی ہے، یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ ٹیکنالوجی نے جو ماحول بنایا ہے انسان اس سے اپنے آپ کو ہم آہنگ نہیں کرسکتا اور یہ ماحول اب ختم ہونے والا ہے۔ ہم نے قوانین طبیعت کو توڑ کر بڑی غلطی کی ہے۔ ایسی غلطی جس کی سزا سے بچاؤ ممکن نہیں۔ سائنسی مذہب اور صنعتی آداب حیاتیاتی حقیقت کے بالمقابل شکست کھا چکے ہیں جب بھی کبھی انسان زندگی کے ممنوع علاقوں میں قدم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ زندگی انسانی قوتوں کو ختم کردیتی ہے۔ اس لئے موجودہ تہذیب زوال پذیر ہے کیونکہ علوم جماد ہمیں ممنوع علاقے میں لے گئے اور ہم ان کی ہدایت پر بغیر دیکھے بھاگے چلتے رہے۔ چنانچہ یہ نتیجہ ہوا کہ فرد کمزور، بدکار، غبی ہوگیا اور اسے اپنے نفس پر کوئی قدرت حاصل نہیں رہی۔

(کتاب انسان نامعلوم، بحوالہ یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۰۴-۲۰۵)

(۹) الیکسس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

ہمیں اس انسان کی تخلیق نو کرنا ہوگی۔ جس کو جدید زندگی اور موضوع مقابلوں نے نکما بنا دیا ہے۔ دونوں صنفوں، (مرد، عورت) کی تجدید بھی از سر نو ضروری ہے۔ ہر فرد مذکر ہو یا مونث کسی قسم میں بھی دوسری صنف کی عقلی صفات۔ جنسی میلانات اور شوق ظاہر نہ ہونے چاہئیں۔ بجائے اجتماعی شکل میں مشین کی طرح پیداوار کرنے کے انسان کو اپنی وحدت کا اثبات کرنا چاہیے۔ شخصیت سازی کے کام کے لئے ہمیں موجودہ اسکول، کارخانے اور دفاتر ختم کرنا ہوں گے۔ بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم اس تکنیکی تہذیب کے اصولوں کو اٹھا کر پھینک دیں۔

(انسان نامعلوم، ص ۳۴۸، بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۰۶)

الیکسس کارلائل اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھتا ہے۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ہے جو یہ احساس کرسکیں کہ عقلی اور سیاسی اور اجتماعی تبدیلیاں ضروری ہو چکی ہیں اور موجودہ صنعتی تہذیب کو بدل کر اس کی جگہ انسانی ترقی کی ضامن نئی فکر لانا ضروری ہے۔

(انسان نامعلوم، ص ۲۲۲، بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۱۱)

(۱۰) پروفیسر ساروکن

بدیہی شہادتوں کو دیکھ کر مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ ہماری زندگی کا ہر شعبہ ہماری تنظیم اور ہمارا معاشرہ زبردست بحران اور تباہی سے گزر رہے ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ اور دل و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہیں جو صحیح طور پر کام کر رہا ہو ہمارے بدن ناسور ہی ناسور ہیں۔ (بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۱۱)

(۱۱) پروفیسر آرنلڈ جے ٹائن بی

جدید انسان کا حال جوئے کی اس کھلاڑی کی طرح ہے جس نے اپنا داؤ بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہنچا دیا کہ اس کا بنک اکاؤنٹ اس کی معاش اور زندگی سب بساط پر رکھے ہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ بازی مار لینی چاہیے لیکن اسے اپنے ہنر پر اعتماد نہیں جس کے بل بوتے پر وہ بازی جیت سکے گا۔ پوری تاریخ سے مجھے ایک ہی سبق ملتا ہے کہ یہاں کوئی چیز دنیوی کامیابی سے بڑھ کر ناکام نہیں۔

اب دور حاضر کی سب سے بڑی ضرورت ایک فوق الطبعی ایمان کا زندہ کرنا ہے۔ (بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر ص ۲۱۱)

(۱۲) ول ڈیورانٹ فلسفی

ہم ایک مرتبہ پھر اسی کشمکش سے دوچار ہیں۔ جس سے سقراط گزر چکا ہے۔ ہم ایسے طبعی اخلاق کہاں سے لائیں جو آسمانی سزا کی جگہ لے سکیں جس کا اثر لوگوں کی زندگی سے تقریباً ختم ہو چکا ہے اور اخلاقی بگاڑ ہمارے اجتماعی سرمایہ کو تباہ کرتا جا رہا ہے۔

(فلسفہ کی نیرنگیاں، ص ۶ جلد اول، بحوالہ یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۲۱۲)

(۱۳) ول ڈیورانٹ فلسفی

ضبط ولادت کی دوائیں بھی ہمارے اخلاقی بگاڑ کا ایک سبب ہیں۔ ماضی میں اخلاقی قانون جنسی تعلق کو نکاح کے ساتھ مشروط قرار دیتا تھا۔ کیونکہ نکاح ہی ایک ایسی ممکنہ شکل ہے۔ جس میں باپ کو اپنے بچے کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔

لیکن اب تو جنسی تعلق اور نسل کشی کا رشتہ ہی ختم ہو گیا ہے جس کی وجہ سے مرد اور عورت کے تمام رشتے تبدیل ہو رہے ہیں۔

شہری زندگی نے شادی بیاہ میں رکاوٹیں کھڑی کر کے جنسی بے راہ روی کے ان گنت دروازے کھول دیے ہیں۔ اب تو جنسی بلوغت بہت جلد ہو گئی ہے جاگیرداری نظام میں اگر جنسی خواہش کا دبانا امر معقول تھا۔ تو اب صنعتی نظام میں یہ ایک انتہائی دشوار کام ہے۔ کیونکہ صنعتی نظام لوگوں کو ۳۰ تیس سال کی عمر تک ہو جانے سے پہلے نکاح کا موقع نہیں دیتا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کی طبیعت میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور ضبط نفس کی صلاحیت کمزور ہو جاتی ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ عفت و پاکدامنی ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے شرم و حیا کا نام و نشان باقی نہ رہا مرد اپنے بدکاری پر فخر کرتے ہیں عورتیں بے حیائی میں مردوں سے مساوات

چاہتی ہیں۔ شادی سے پہلے جنسی تعلق ایک جانی پہچانی روایت بن چکا ہے۔

اور اب جاگیرداری نظام کا اخلاقی بندھن ٹوٹ چکا اور آج کے صنعتی دور میں اس اخلاق کی کوئی قیمت نہیں۔

(فلسفہ کی نیرنگیاں ص ۱۲۰ جلد اول، بحوالہ یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۱۳)

(۱۴) ول ویورانٹ فلسفی

تصویر کا دوسرا رخ بھی کچھ افسوسناک نہیں ہے کیونکہ ہر وہ شخص جس کی شادی میں دیر ہو وہ بازاری عورتوں کی طرف رغبت کرتے ہیں اور اس عرصہ میں اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے پورا بنا سنورا نظام اپنے علمی اداروں کے ساتھ پایا جاتا ہے اور کچھ ایسا معلوم ہوتا جیسے خواہشات نفس کے ابھارنے کے لئے عجیب وغریب طریقے ایجاد کر لئے گئے ہوں۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۱۲۸-۱۲۷)

غالب گمان یہ ہے کہ لذت پرستی کے رجحان میں ڈارون کے مذہبی خیالات پر حملوں نے بڑا اضافہ کیا ہے۔ جب نوجوان نے یہ دیکھا کہ مذہب ان کی لذت پرستی میں رکاوٹ ہے تو انہوں نے مذہب کو نکما اور گھٹیا ثابت کرنے کے کئی ہزار اسباب تلاش کر لئے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۱۳۴)

مغربی تہذیب کی کمزوریوں کا اب ہمیں احساس ہونے لگا ہے انسانوں کی عظیم اکثریت جدید تہذیب اور معاشرے کے افکار ونظریات کو پس پشت ڈالنے کے لئے بیتاب نظر آتی ہے۔ انسانوں کی اس اکثریت کے لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ جو نہ صرف عقلی، سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کی ضرورت محسوس

کرتے ہیں بلکہ صنعتی تہذیب کو یکسر بدل کر انسانیت کے لئے فلاح و ترقی کے ایک نئے تصور کو پیش کرنے کے آرزومند ہیں۔

(کتاب انسان نامعلوم، ص ۱۱-۱۲، بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۲۱۶)

(۱۵) الیکس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

تہذیب حاضر اس وقت بڑے مشکل مرحلے سے گزر رہی ہے۔ یہ انسان کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی کیونکہ اس میں اس کی حقیقی فطرت کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس نے سائنسی اکتشافات انسانی خواہشات و توہمات انسان کے اپنے وضع کردہ نظریات اور جبلی رجحانات کی کوکھ سے جنم لیا ہے باوجود اس کے کہ یہ تہذیب ہماری ہی کوششوں کا نتیجہ ہے لیکن یہ ہمارے لئے بالکل ناموزوں و نامناسب ہے۔

(کتاب: انسان نامعلوم، ص ۳۸،

بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر ص ۲۱۵-۲۱۶)

(۱۶) الیکس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

مشینی ایجادات میں اضافہ کر دینے سے حالات کو کچھ بھی بہتر نہیں بنایا جا سکتا۔ اسی طرح اس معاملے میں طبعیات فلکیات اور کیمیا کے اکتشافات کو بھی اتنی زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ آدمی کو اب توجہ خود اپنے اوپر اور اپنی ذہنی اور اخلاقی نااہلیت کی طرف موڑ دینی چاہیے۔ اپنے تمدن میں لذت تعیش جمالیت،

وسعت اور پیچیدگیاں بڑھانے چلے جانے سے کیا حاصل جب کہ اس تمدن کو اپنے حقیقی مفاد کے رُخ پر لے جانے سے خود ہماری اپنی کمزوریاں مانع ہو رہی ہیں۔ درحقیقت یہ کوئی مفید صورت نہیں ہے کہ ایک ایسے طریق زندگی کے بنانے پر غور و فکر کیا جائے جو اخلاقی زوال کا اور عظیم نسلوں کے صالح ترین عناصر کے خاتمے کا سبب ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ تیز رفتار کے بحری جہاز زیادہ آرام دہ گاڑیاں، سستے ریڈیو اور بعید تر سماجوں بادلوں کا مشاہدہ کرنے کے لئے دوربین سے بھی بہتر ہو گا کہ ہم اپنے اوپر زیادہ توجہ صرف کریں۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۱۹)

(۱۷) مسز لیڈی ہڈسن

ماہر علم طبعیات

ہماری تہذیب کی دیواریں گرنے کو ہیں۔ اس کی بنیادوں میں کمزوری آگئی ہے اور اس کے شہتیر ہل رہے ہیں۔ نہ معلوم یہ ساری عمارت کب زمین پر گرتی ہے۔ ہم گذشتہ کئی سالوں سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ نظم و ربط کی پابندیاں اختیار کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ اس کی بقا کی بس ایک ہی صورت باقی ہے کہ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول پر پابندی لگائی جائے کیونکہ اس تہذیب کے لوگوں کی تمام تر توجہ آزاد جنسی تعلقات (زنا وغیرہ) فحبہ گری اور عزت فروشی پر ہے اور مختصر یہ کہ جنسی خواہشوں کی تکمیل ہی مقصد ہے۔ اس لئے ان کی ساری تعمیری صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ اس معاملے میں اور بھی طرح طرح کی بے اعتدالیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جیسے مردوں اور عورتوں کا خود اپنے ہی ہم جنسوں کی طرف مائل ہونا، انسانی صلاحیتوں کا یہ نقصان انتہائی خطرناک

ہے۔ جنسی تعلقات کی یہ نوعیت اور اس کے ان بدترین آثار و نتائج کو دیکھ کر ہمارے ذہنوں میں یہ سوال ابھر آتا ہے کہ آیا یہ ہماری تہذیب کے ملیامیٹ ہونے کے شواہد ہیں یا اسباب۔ میرے رائے یہ ہے کہ یہ آثار و شواہد بھی ہیں اور اسباب بھی۔ (بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۴۰)

(۱۸) انگریز مفکر

انسان نے سمندر میں مچھلیوں کی طرح تیرنا سیکھ لیا ہے اور پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا سیکھ لیا لیکن زمین پر انسانوں کی طرح چلنا نہیں سیکھا۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۴۰)

(۱۹) پروفیسر ساروکن

ہم کھانا اب ہوٹلوں اور ریستورانوں میں کھاتے ہیں۔ ہماری روٹی بیکری سے آتی ہے۔ کپڑے دھوبی دھوتے ہیں پہلے وقتوں میں لوگ تفریح کے لئے خاندانوں کی طرف رجوع کرتے تھے لیکن اب اس کے لئے سینماؤں، تھیٹروں اور کلبوں میں جاتے ہیں۔ پہلے خاندان ہمدردی دلچسپی کا مرکز تھا اور خاندانی زندگی ہی میں سکون تلاش کیا جاتا تھا مگر اب خاندان کے افراد بکھر گئے ہیں اور اگر کچھ مل کر رہتے بھی ہیں تو اس کا مقصد فوت ہو گیا ہے۔ وہ دن کا زیادہ وقت اکیلے فکر معاش میں بسر کرتے ہیں۔ رات کا وقت جس میں کہ خاندان کے افراد اکٹھے ہوتے تھے۔ وہ بھی اب الگ گزرتا ہے اب ہمارے گھر ہمارے لئے راحت و سکون کی جگہ نہیں رہے۔ جہاں ہم بہرحال شب باش ہوں۔ شب باشی (رات گزارنا) کا تو ذکر ہی کیا اب تو ایک پوری رات بھی لوگ اپنے گھر میں بسر کرنا پسند نہیں کرتے۔ (بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۲۵)

(۲۰) پروفیسر ساروکن

دور حاضر کے بحران کی وجہ یہ نہیں کہ اس عہد میں ہٹلر مسولینی۔ سٹالن، چرچل نے جنم لیا ہے۔ یہ لوگ تو اس بحران کی پیداوار ہیں ان کو دنیا کے اسٹیج سے ہٹا دینے سے فساد کا خاتمہ نہیں ہوگا بلکہ ان کے ہٹتے ہی ان سے زیادہ شر پسند لوگ ان جگہ پر قبض ہو جائیں گے۔ اگر ہم واقعی اصلاح حال چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے فکر ونظر کے زاویوں کو بدلنا ہوگا یہ تبدیلی اسی صورت میں ممکن ہے۔ جب لوگوں میں اپنی تباہی و بربادی کا شدید احساس پیدا ہو کیونکہ یہ احساس ہی لوگوں کو انقلاب کے لئے سرگرم عمل کر سکتا ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۵۴۵)

(۲۱) یورپی مفکر

اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ میں ایسے لوگ بھی اس وقت پائے جاتے ہیں جو دینی طریقہ پر سوچتے ہیں اور مذہبی احساس رکھتے ہیں اور اپنے عقائد کو اپنی تہذیب کی روح کے ساتھ لاگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ تھوڑی مثالیں ہیں۔ یورپ کا عام اور متوسط طبقہ یا آدمی خواہ وہ جمہوریت پر ایمان رکھتا ہو یا فاشزم پر، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی، جسمانی مشقت کرنے والا ہو یا دماغی محنت کرنے والا، وہ ایک ہی مذہب رکھتا ہے۔

اور وہ مادی ترقی کی پوجا ہے اور اس کا مقصد حیات صرف ایک ہی ہے کہ وہ زندگی کو زیادہ سے زیادہ آسان پر راحت اور عام محاورے کے مطابق قدرت سے آزاد بنائے۔ اس مذہب جدید کے عبادت خانے بڑے بڑے کارخانے، کیمیاوی، دارالصنعت، ناچ گھر اور بجلی کے مراکز ہیں۔ اس مذہب کے

رہنما اور سردار بینکوں کے افسر، انجینئر اداکار بڑی بڑی صنعتوں کے ناظمین اور ریکارڈ قائم کرنے والے ہوا باز ہیں۔ لذت اور طاقت کی اس ہوس اور چھوٹے پن کا ہی اثر ہے کہ حریف و دشمن گروہ سامان جنگ سے لیس اور جنگی تیاریوں سے مکمل تیار کھڑے ہیں تاکہ جب بھی ان کے مصالح اور مقاصد میں تصادم ہو تو بغیر کسی دیر کے ایک دوسرے کو تباہ کردیں اور جہاں تک تمدن کا تعلق ہے انسانوں کا ایک ایسا گروہ جنم لے چکا ہے جن کے نزدیک نیکی اور اخلاق کا اصل پیمانہ صرف ذاتی مفاد ہے اور ان کے ہاں بھلائی اور برائی کو معلوم کرنے کے لئے اصل معیار صرف دنیاوی کامیابی ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۲۶)

(۲۲) پروفیسر ساروکن

مغرب کا چھ سالہ سائنسی دور اب ختم ہونے کو ہے۔ یہ تہذیب جو آزادی فکر اور وقار انسانیت کے نام پر اٹھی تھی مادیت کی دلدل میں پڑ کر اپنا سب کچھ کھو چکی ہے۔ اب اس کی مردہ لاش تعفن اور بدبو پھیلا رہی ہے اسے جس قدر جلد دفن کر دیا جائے بہتر ہے۔ (بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۲۶)

(۲۳) ہارورڈ جون

تاریخ دان و سائنسدان

فلاحی ریاست نے اس کا بندوبست کیا ہے کہ اقتصادی کیک کے بانٹنے میں مساوات برتی جائے اور جنگ کی ترقیات کی وجہ سے یہ کیک کافی بڑا بھی ہو گیا ہے۔ ہم میں اکثر لوگ مالی طور پر اتنی فراخی پاتے ہیں کہ اتنی پہلے کبھی حاصل نہ ہوتی تھی لیکن ہم اتنے ہی زیادہ مجرم بھی بن گئے کہ تاریخ انسانی میں پہلے کبھی نہ تھے۔

اگر اجتماعی معاملات میں شہادت کا کچھ مطلب ہو سکتا ہے کہ تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مادی حالات میں بہتری کے ساتھ ہم لوگوں کے ظاہر طور طریق اور اندرونی سکون دونوں میں ابتری اور تباہی پیدا ہو گئی ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۲۲۷)

(۲۴) ماڈرن جنگ

ایسی تصویر کے سامنے ہم کو عاجزی کے سوائے چارہ نہیں اگر چہ موجودہ انسان عروج پر ہے اور کل اس سے زیادہ بلندی پر پہنچ سکتا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ موجودہ انسان انسانیت کی امیدوں کا ایسا مایوسانہ اور بدترین مظہر ہے کہ اس سے زیادہ بربادی خیال میں بھی نہیں لائی جا سکتی اور موجودہ انسان اس بات سے بھی پوری طرح واقف ہے۔ (بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۲۲۸)

(۲۵) لنڈبرگ اور فارنہم ایم ڈی سائنسدان

اگر چہ مادی ترقی اس درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ ڈیڑھ سو سال پہلے اس کا خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ مادی لطف اندوزی کے سازوسامان ہمارے ارد گرد بکھرے پڑے ہیں لیکن جہاں تک لوگوں کے احساسات کا تعلق ہے آج کا انسان شاید تاریخ کا سب سے زیادہ تباہ حال اور غمزدہ ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۲۲۸، از: محمد انور بن اختر)

(۲۶) برٹرینڈ رسل

برطانوی مفکر و تاریخ دان

ہر شخص جو دنیا کے حالات کا جائزہ لیتا ہے اور احساس رکھتا ہے وہ اس بات سے فکر میں ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے یہ المیہ اور مسئلہ

اس کا مقدر بن چکا ہے کہ ہماری دنیا یکے بعد دیگرے بڑی سے بڑی تباہی میں گرتی چلی جائے سنجید لوگوں نے یہ تو محسوس کرلیا ہے کہ مکمل ہلاکت میں گرنے سے اب اس دنیائے جدید کو بچانا ناممکن ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۲۹)

(۲۷) گستاؤلی بان

سائنسدان ماہر نفسیات

ایک کھلا زوال یورپ کی عظیم قوموں کی اکثریت کی زندگی کو دھمکی دے رہا ہے۔ خاص طور پر ان قوموں کو جو لاطینی اقوام کے نام سے جانی جاتی ہیں اور خون کے اعتبار سے لاطینی نہیں ہیں لیکن روایات اور تربیت میں وہ لاطینی ہیں۔ ان قوموں کی بڑھتی ہوئی مادی ضروریات کی تکمیل ان کی واحد اعلیٰ مثال ہوگی اور انہیں میں وہ خاندان کی تباہی دیکھیں گی۔ اجتماعی ذمہ داری کے نہ ہونے پر روئیں گی غصہ و ابہام اور تنگی محسوس کریں گی۔ آج دور جدید کے آدمی کی مثال اس کشتی کی طرح ہے جس کا چپوار کھو گیا ہے اور وہ ہوا کے رُخ پر ادھر اُدھر بھٹک رہا ہو اور انکل پچو سے چلنے والی کشتی کی طرح وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ آج وہ ایمان کھو چکا ہے اور اس کی وجہ سے بیک وقت امید رخصت ہوگئی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد معاشرہ بہت جلد اثر قبول کرتا ہے اور تیزی میں بدل جاتا ہے اور کوئی اس کے خلاف انگلی اُٹھانے والا نہیں ہے کہ بغیر کسی انقطاع کے یہ معاشرہ بدترین لاقانونیت و انتشار اور سخت قسم کے ظلم و استبداد کے درمیان مذبذب اور پریشان ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۳۷)

(۲۸) کانسٹانٹان جارج

وہ ساعت جو مغربی تہذیب کی طویل اور لمبی اور تاریک رات کے بعد ایک نئی تہذیب کا مشاہدہ کرے گی۔ جارج نے اس بات پر کافی زور دیا ہے کہ مغربی تہذیب امریکہ، یورپ اور روس کی تہذیب ہے یہ افلاس کا شکار اور مکمل تباہی زوال کی حالت میں ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۳۹)

(۲۹) عائشہ سابقہ نام برجٹ ہنی

انگلستان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ نومسلمہ

آج کا یورپ تاریکیوں میں بھٹک رہا ہے، یہاں روشنی کی کوئی ننھی سی کرن بھی نہیں جو روح اور ذات کی ان تاریکیوں میں رہنمائی کر سکے ہر وہ شخص جو یورپ کی صورت کا تھوڑا سا بھی فہم و سمجھ رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ترقی کی جھوٹی چمک دمک اور مادیت کی مصنوعی شان وشوکت کے پیچھے دراصل ہر قسم کے رنج وغم اور شدید پریشانی ہے لوگ اس نجات سے کوئی راستہ چاہتے ہیں مگر انہیں کوئی راستہ نہیں ملتا۔ اس سلسلے کی ان کی ساری جستجو بے کار جا رہی ہے۔ اب ان کے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا ہے وہ سیدھا تباہی و بربادی کے جہنم کی طرف جاتا ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۵۸۰، ۵۸۱)

(۳۰) پروفیسر رجاء گارودی نومسلم

فرانس کی کیمونسٹ پارٹی کا چیئرمین اور رکن پارلیمنٹ ۱۹۴۵ء میں فرانس کی اسمبلی کا ممبر بنا تعلیم سے فارغ ہو کر میں وقتی طور پر تدریس کا پیشہ اختیار کیا اس

زمانے میں مجھے کیمونزم، اسلام اور عیسائیت کا تقابلی مطالعہ کرنے کا بھرپور موقع حاصل ہوا اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ بحیثیت ضابطہ حیات عیسائیت میں کوئی طاقت نہیں اور یہ اپنے ماننے والوں میں کوئی اخلاقی انقلاب پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ کلاس روم میں سرمایہ داری نظام پر بھی خوب بحثیں ہوتی ہیں اور میرے شاگرد یہی نتیجہ اخذ اور حاصل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ عالم انسانی کے سارے بحرانوں، معاشرتی اور اخلاقی انتشار اقتصادی ناہمواری اور روحانی خلا کا باعث، سرمایہ داری نظام اور مغربی تہذیب ہے چنانچہ اسی دور میں ایک مرتبہ یونیسکو کے زیر اہتمام ثقافت کے حوالے سے ایک عالمی مذاکرہ ہوا مجھے بھی اس میں دعوت دی گئی تو میں نے برملا اور کھلے لفظوں میں کہا مغربی تہذیب وثقافت نے انسان کو نہ صرف انسانیت سے دور کیا ہے بلکہ روح جیسی مقدس چیز کا بھی مذاق اڑایا ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۵۷۸، از محمد انور بن اختر)

(۳۱) مریم جمیلہ نومسلم

معاملہ یہ ہے کہ عہد حاضر کی لادینت، قومیت اور مادیت دراصل والٹیئر روسو اور مانٹیسکو جیسے ان فلسفیوں کے نظریات کی تابع اور مرہون منت ہے۔ جنہوں نے انقلاب فرانس کی آبیاری کی۔ یہ لوگ ہر قسم کے مذہب سے سخت بیزار تھے اس لئے انہوں نے اپنی تحریروں میں اس بات پر خاص زور دیا کہ انسان ترقی ونجات کے سارے مراحل خدا کے بغیر طے کرسکتا ہے۔ اس فریب کارانہ تصور نے کہ انسان خدا کا محتاج نہیں۔ نہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی ہوگی یہ نقطہ نظر عام کیا گیا کہ انسان کا مقصد عظیم اسی زندگی میں مادی خوشحالی اور ترقی کا حصول ہے اور پس آج ہم جن مفاسد کا سامنا کررہے ہیں۔ یہ نتیجہ ہیں ان رجحانات کا جو گذشتہ دو سو برس سے فروغ پارہے ہیں۔ چنانچہ یہ محض اتفاق کی

بات نہیں کہ مغربی فکر کے تمام بڑے راہنما کٹر مادہ پرست تھے۔

حقیقت واقعی یہ ہے کہ جدید مغربی تہذیب چرچ کے خلاف کھلی بغاوت کا نام ہے جس نے آخر کار تمام مذاہب اور روحانی اقدار کے خلاف کھلی جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ یوں مادہ پرستی یورپ کے خمیر میں داخل ہے اور اس کی تہذیب کا ایک لازمی جزو ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۵۷، از: محمد انور بن اختر)

(۳۲) اریکا جونگ

نامہ نگار واشنگٹن پوسٹ اخبار امریکہ

ایسے خوبصورت مردوں کا جو ماضی میں منشیات اور جنسی بے راہ روی کے عادی اور شکار نہ رہے ہوں ملنا مشکل بلکہ محال نظر آتا ہے۔ عشاق سے ان کے بلڈ ٹیسٹ کرانا اور نتائج معلوم کرنا اور پھر جسمانی ملاپ سے پہلے ان کے ہاتھوں میں ضبط تولید کے مصنوعی آلات تھما دینا۔ کیا اس سے زیادہ بہتر اور آسان نہیں کہ ایسا جنسی اختلاط ہی موقوف کر دیا جائے یعنی نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اور وقتی شہواتی لذات کے بجائے مذہب میں ابدی سکون تلاش کیا جائے۔ (بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۲۵۹)

(۳۳) پروفیسر آرنلڈ جے۔ ٹائن۔ بی

ہم چھ سو سال گزارنے کے بعد اب زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں ڈوبتے ہوئے سورج کو بھولی ہوئی کرنیں۔ اگرچہ دنیا کو منور کر رہی ہیں مگر رات کے تاریک سائے بھی ہر لمحہ بڑھ رہے ہیں۔ اس چمک میں جب کہ سورج کی بصارت میں کمی ہوگی۔ ہمارے لئے اپنے آپ کو جاننا اور پہچاننا مشکل ہے۔

تاریک رات اپنے ڈراؤنے پروں میں انسان کو چھپانے والی ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۵۳۹)

(۳۴) برٹرینڈ رسل

برطانوی مفکر و تاریخ دان

اس پرانے نظام سے حصول مسرت ناممکن ہے مغلوب اقوام یا نچلے درجہ کے عام لوگ ہی اس مرض کا شکار نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ مغربی یورپ کے اونچے طبقات کے لوگوں کے پاس بھی زندگی کا مقصد اور اس کے احساسات کا جذبہ فوت ہو چکا ہے۔ اس کے مقصد حیات مفقود ہونے کی وجہ سے وہ عیش وعشرت کے پھندے میں پھنس گئے ہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے کہ ہر نئی لطف اندوزی سے تکلیف اور تباہی بڑھ جاتی ہے اور صحیح قسم کی مسرت گھٹتی ہے جذبات کی سیری سے روح کی پیاس نہیں بجھتی دل بیٹھتا جاتا ہے مایوسی اور نامرادی بڑھتی جاتی ہے۔ جس کے سبب اس میں ضبط اور برداشت کی طاقت کم ہوتی جا رہی ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۱۰۳)

(۳۵) برٹرینڈ رسل

برطانوی مفکر و تاریخ دان

امراض خبیثہ ان کی صحت پر مہلک اثرات ڈال رہے ہیں۔ بیسوی صدی کے آغاز سے یہ حالت ہے کہ فرانس کے فوجی حکام کو مجبوراً ہر چند سال کے رنگروٹوں کے لئے جسمانی اہلیت کے معیار کو گھٹا دینا پڑتا ہے۔ برطانیہ بھی نوجوانوں کے باہمی میل جول کے تباہ کن نتائج سے نہیں بچ سکا۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۱۰۳)

(۳۶) جارج ٹیلی سکارٹ

آج یہ کہنا اتنا ہی صحیح ہے جتنا نصف صدی پہلے کہنا صحیح تھا کہ مرد ہی ان لڑکیوں کے لئے کپڑے خریدتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے جو مرد ان کے لئے کپڑے خریدتے تھے۔ وہ ان کے شوہر یا باپ اور بھائی ہوتے تھے۔ اب ان کے بجائے کچھ دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۱۰۳)

(۳۷) امریکہ کے محکمہ جرائم اطفال کا جج،

امریکہ بچے قبل از وقت (یعنی وقت سے پہلے) بالغ ہونے لگے ہیں اور بہت ہی کچی عمر میں ان کے اندر صنفی احساسات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے نمونہ کے طور پر ۳۱۳ لڑکیوں کے حالات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان میں سے (۲۸۵) ایسی ہیں جو گیارہ اور بارہ اور تیرہ برس کے درمیان کی عمر میں بالغ ہو چکی ہیں ان کے اندر ایسی صنفی تعلقات و خواہشات اور ایسے جسمانی مطالبات کے اثرات پائے جاتے ہیں جو اٹھارہ یا اس سے بھی زیادہ عمر کی لڑکی میں ہونا چاہئیں۔ (بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۱۰۳)

(۳۸) امریکہ کے محکمہ جرائم اطفال کا جج

آگے وہ مزید لکھتا ہے کہ لڑکیوں کے حالات و خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے میں شادی کیوں کروں میرے ساتھ کی جن لڑکیوں نے گذشتہ دو سال میں شادیاں کی ہیں۔ ہر دس میں سے پانچ نے طلاق لی ہے۔ میں سمجھتی ہوں اس زمانہ کی ہر لڑکی محبت کے معاملے میں آزادی عمل کا فطری حق رکھتی ہے

اور ہم کو منع حمل کی کافی تدابیر معلوم ہیں۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۲۱۲ تا ۲۱۷)

(۳۹) لائڈ جارج...... فاتح جنگ عظیم

اگر عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لے آئیں تو زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں گے۔ وہ یہ دیکھیں گے کہ دو ہزار برس کے بعد بھی انسان فتنہ و فساد، کشت وخون، قتل و غارت میں مبتلا ہے بلکہ اس وقت تو انسانیت کے جسم سے تاریخ کی عظیم ترین جنگ کے اثر سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں اور زمین اس قدر تباہ ہو چکی ہے کہ نوبت بھوک و پیاس آختم ہوئی ہے اور حضرت آ کر کیا دیکھیں گے کیا اخوت و مساوات کے ساتھ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہاتھ ملاتے دیکھیں گے یا اس کے برعکس اس جنگ عظیم سے بڑھ کر مہلک اور پر تکلیف جنگ کی تیاریاں کرتے، ایک سے بڑھ کر جان لیوا اور ستم کش آلات ہلاکت ایجاد کرتے اور عذاب دیتے اور شدت کرنے میں نئی نئی ترکیبیں اور تدبیریں سوچتے دیکھیں گے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دہانے پر، ص ۵۲۴، از محمد انور بن اختر)

(۴۰) پول بیورو

نہ صرف بڑے شہروں میں بلکہ فرانس کے قصبوں اور دیہاتوں میں اب نوجوان مرد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جب ہم پاک دامن اور شریف نہیں تو ہمیں اپنی منگیتر سے پاک دامنی کے مطالبے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ایک لڑکی شادی سے پہلے بہت سی دوستیاں کر چکتی ہے اور شادی کے وقت اسے اپنے منگیتر سے اپنی گزاری زندگی کے حالات چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں لڑکی کے قریب ترین

رشتہ داروں میں بھی اس کی بدچلنی پر کسی قسم کی ناپسندیدگی نہیں پائی جاتی وہ اس کی دوستیوں کا ذکر آپس میں اس طرح بے تکلف کرتے ہیں گویا کسی کھیل کا نام لے رہے ہیں اور نکاح کے موقع پر دولہا جو اپنی دولہن کی سابقہ اور پہلی زندگی سے نہیں بلکہ اس کے ان دوستوں تک واقف ہوتے ہیں جو اب تک اس کے جسم سے لطف اُٹھاتے رہے ہیں۔ اس بات کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ کسی کو اس بات میں شک تک نہ ہوتے پائے کہ انہیں دلہن کے ان کاموں کی خبر نہیں یا اس پر کسی قسم کا اعتراض ہے۔

(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۵۲۵)

(۴۱) پول بیورو

فرانس میں تعلیم یافتہ طبقوں میں یہ صورتحال بہت زیادہ اور اب یہ بات کوئی غیر معمولی نہیں رہی کہ ایک اچھے خاندان کی تعلیم یافتہ لڑکی جو کسی دفتر یا تجارتی فرم میں اچھی جگہ پر کام کرتی ہے اور اچھے معاشرے میں ہی رہتی ہے۔ کسی نوجوان سے محبت کرنے لگی، اب یہ بالکل ضروری نہیں کہ وہ آپس میں شادی کرلیں۔ دونوں شادی کے بغیر ہی ایک ساتھ رہنا اچھا جانتے ہیں۔ محض اس لئے کہ دونوں کے دل پھر جانے کے بعد الگ ہو جاتے اور کہیں دل لگانے کی آزادی حاصل رہے۔ معاشرہ میں ان کی یہ حالت سب کو معلوم ہوتی ہے۔ اونچے طبقوں میں دونوں مل کر آتے جاتے ہیں نہ وہ خود اپنے تعلق کو چھپاتے ہیں نہ کوئی دوسرا ان کی ایسی زندگی کے بارے میں کوئی بُرائی محسوس کرتا ہے۔ ابتدا میں یہ عمل کارخانوں میں کام کرنے والے لوگوں نے شروع کیا تھا۔ اول اول اس کو بُرا سمجھا گیا مگر یہ اب اونچے طبقے میں عام ہو گیا ہے اور اجتماعی زندگی میں اس نے

اب وہ جگہ لے لی ہے جو نکاح کی تھی۔
(بحوالہ: یورپی تہذیب تباہی کے دھانے پر، ص ۵۲۵، از: محمد انور بن اختر)

(۴۲) آئن سٹائن

جب میں کائنات میں غور و فکر کرتا ہوں تو ایک ادنیٰ سی چیز مکھی کو مارنا بھی بُرا لگتا ہے لیکن میں نے ایٹم بم بنا کر انسان کی ہلاکت کا سامان بنا دیا ہے اس بات پر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ (از: ندائے ملت میگزین)

(۴۳) کڈن جینتروف

روسی سائنسدان

میں ماہر حیاتیات نہیں ہوں، اس لئے میں اس میدان میں جو لوگ سب سے آگے ہیں ان کی آراء درج کروں گا۔ زندگی کی وضاحت کرنے میں ناکامی علم حیاتیات کی ایک ایسی حقیقت ہے جس پر خاموشی سے نہیں گزرا جا سکتا ہے۔ میں یہ بھی گزارش کروں گا کہ یہ کوئی حیران کن بات نہیں۔
(بحوالہ: اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۶۱ از: علی عزت بیگووچ)

(۴۴) پائرلیپس اور جین روستاند

ماہرین علم حیاتیات

اس راز پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے کہ ہماری کم علمی زندگی کے بارے میں ہماری ہر وضاحت کو کیوں غیر واضح بنا دیتی ہے۔ ابھی تک ہم معلوم نہیں کر سکے کہ زندگی کیا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم زندگی کے مظہر اور عمل کے بارے میں مکمل اور صحیح ترین تعریف کرنے میں ناکام رہے ہیں۔
(بحوالہ: اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۴۱-۴۲)

(۴۵) ٹلہارڈ ڈی شاردن

فرانسیسی ماہر حیات قدیم

خلیات کی فطری صلاحیت اعضاء پیدا کرتی ہے۔ نیز حشرات کچھ دیگر اشیاء کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ وہ حقیقتیں ہیں جن کا ہم نے باضابطہ مشاہدہ کیا ہے لیکن پھر بھی اپنے موجودہ مطالعہ کے سبب ان کی وضاحت کرنے میں ہم ناکام رہے ہیں۔

(بحوالہ: اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش ص ۶۲، از: علی عزت بیگووچ)

(۴۶) کارل جیسپرز سائنسدان

نفسیاتی معاملات اس طریقے سے ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ بالکل نئے محسوس ہوتے ہیں اور ایسے طریقے سے ظہور میں آتے ہیں کہ ان کو آسانی سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ یہ عوامل ایک ایک کر کے ظاہر ہوتے ہیں یعنی ایک دوسرے کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتے۔

ایک عام انسان کے نفسیاتی ارتقاء میں چاہے ارتقاء معتدل ہو یا غیر معتدل، بہت سی ایسی چیزیں ابھرتی ہیں جن کا سمجھنا آسان نہیں نفس کے ظہور کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل ہے۔ نفسیاتی عوامل کو بیرونی طور پر نہیں سمجھا جا سکتا، جس طرح فطرت کے عوامل کو اندرونی طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہاں اپنے علم کے ابتدائی ذرائع کو زیر بحث لا رہے ہیں جو کہ ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔

(بحوالہ: اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۶۳، از: علی عزت بیگووچ)

(۴۷) لوئس ڈی بروگلی، فرانسیسی ماہر فزکس

اس نے ۱۹۲۹ء میں کہا تھا کہ ہم کیمسٹری اور فزکس کے وجود کے موجودہ علوم کی بدولت زندگی کی وضاحت نہیں کر سکتے۔

(بحوالہ: اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۶۳)

(۴۸) گائینٹ

ماہر حیاتیات سوئٹزر لینڈ

زندگی کے طبعی اور کیمیائی تعلق میں ایک بنیادی فرق ہے ماہرین فزکس کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہم ماہرین حیاتیات نے کیمیائی اور طبعی فارمولوں کے ذریعے زندگی کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ وضاحت ہم سے پوری طرح نہیں ہو سکی ہے۔ یہ زندگی بہت مشکل ہے اور یہ ایک منظم شکل اختیار کر چکی ہے اور یہ صرف ایک مرتبہ معرض وجود میں نہیں آئی بلکہ اربوں سالوں میں کروڑوں مرتبہ مختلف پہلو اختیار کر چکی ہے۔ ہمیں تو بس ایک تعمیری صلاحیت ملی ہے جس کو کیمسٹری اور فزکس کی اصطلاح میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

(بحوالہ: اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۶۴)

(۴۹) اندرلے لی وُف

فرانسیسی ماہر حیاتیات

ابھی تک یہ ممکن نہیں ہوا ہے کہ کسی بے جان نظام وجود کو زندگی بخشی جا سکے حتی کہ صرف ایک بیکٹریا کو پیدا کرنا بھی ہماری پہنچ سے باہر ہے۔

(بحوالہ: اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۶۵، از: علی عزت بیگوزچ)

(۵۰) آئیوان پالوف

روسی ماہر نفسیات سائنسدان

ہزاروں سالوں سے انسانیت نفسیاتی حوادث کو تلاش کرتی آئی ہے۔ روحانی زندگی کا عمل اور انسانی روح یہ وہ سوالات ہیں جن پر ماہرین نفسیات بڑی شدومد سے کام کر رہے ہیں۔ بلکہ ادب اور فنون لطیفہ کو بھی زیر بحث لا رہے ہیں، کیونکہ ادب اور فنون لطیفہ تو نفسیاتی زندگی کا مظہر ہیں۔ انسان کے اندر کی دنیا کی وضاحت کرنے کے لئے لاکھوں صفحات لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن ایسے نتیجے تک پہنچے ہیں جسے بالکل درست کہا جا سکے ہم ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ ہم کوئی ایسا فارمولا دریافت نہیں کر سکے جو انسان کی نفسیاتی زندگی کو کسی قانون میں پابند کر سکے۔

(بحوالہ: اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۶۴، ۶۵۔ از: علی عزت بیگووچ)

(۵۱) الیکسس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

اعضاء اپنی تعمیر میں جن عوامل سے گزرتے ہیں انہیں سمجھنا انسانی فہم سے باہر ہے۔ یہ تمام وجود ایک سادہ خلیے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مکمل گھر ایک جادوئی اینٹ سے وجود میں آ جائے اور یہ اینٹ جادوئی طور پر دوسری اینٹوں کی کہاوتوں میں اعضاء وجود میں آتے ہیں۔ اس عمل کو سمجھنے میں ہماری عقل بے بس نظر آتی ہے۔

ابھی تک ہم اپنے جسم کے نظام، اس کی خوراک اور اس کی اعصابی اور روحانی توانائی کے راز تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ کیمیا اور فزکس کے قوانین مکمل طور

پر مردہ مادے اور جزوی طور پر انسان پر لاگو کیے جا سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ انیسویں صدی کے مشتبہ نظریات خصوصاً جیکوز لوئب کے نظریات سے پرہیز کریں۔ اگرچہ ان طبعی و کیمیائی نظریات پر سائنس دان اور نفسیات کے ڈاکٹر بدقسمتی سے ابھی تک یقین رکھتے ہیں۔

(بحوالہ: اسلامی اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۶۶ از: علی عزت بیگووچ)

(۵۲) رپورٹ سیکریٹری جنرل اقوام متحدہ

چند ترقی یافتہ ممالک کو جرائم کا شدت سے سامنا ہے۔ بادی ترقی سائنسی ترقی کے موجودہ دور میں کہ انسانی زندگی ہر لحاظ سے پُر آسائش ہے مختلف قسم کے ذاتی اور گروہی جرائم چوریاں دھوکے بازیاں، بدعنوانی اور منظم ڈکیتیاں وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ترقی کے جدید طریقے اپنانے کی سخت قیمت چکانی پڑی ہے۔

(بحوالہ: اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۱۳۲، از: علی عزت بیگووچ)

(۵۳) آرتھر ملر...... جدید امریکہ کا ممتاز جج

نوجوانوں کے جرائم شہروں تک محدود نہیں رہے ہیں بلکہ قصبوں تک پھیل گئے ہیں۔ یہ صرف سرمایہ دارانہ معاشرے کا ہی نہیں۔ بلکہ اشتراکی معاشرے کا بھی المیہ ہے۔ یہ مسئلہ غربت سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ خوشحالی اور دولت مندی کے باوجود موجود ہے، یہ نسلی مسئلہ نہیں ہے نہ ترک وطن ہی کا نتیجہ ہے اور نہ خالصتاً امریکی مسئلہ ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اپنی موجودہ شکل میں یہ ٹیکنالوجی کا نتیجہ ہے جو کہ انسان کا مرتبہ بحیثیت انسان گرا دیتی ہے اور اسے ذلیل و حقیر بنا دیتی ہے۔ (بحوالہ: اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۱۳۶)

(۵۴) امریکی ماہر نفسیات

خودکشیوں کا تناسب اور نفسیاتی امراض کا گوشوارہ اس ثقافت و تمدن (یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی کا تمدن) کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ نفسیاتی طریقہ علاج کے مطابق یہ عجیب بات سامنے آئی ہے کہ زندگی کے معیار کے بہتر سے بہتر ہونے کے ساتھ انسان کا اطمینان قلب ختم ہو رہا ہے۔ جن ممالک نے زیادہ ترقی نہیں کی وہاں خودکشیوں اور نفسیاتی امراض کے مریض کی تعداد کم ہے یہ بات ہمیں سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ ترقی آخر کس مرض کی دوا ہے۔

(بحوالہ: اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش ص 126، از: علی عزت بیگووچ)

(۵۵) رپورٹ عالمی ادارہ صحت ۱۹۷۰ء

یہ سلسلہ (نفسیاتی امراض خودکشی) صنعتوں میں اضافے، شہری زندگی میں اضافے اور خاندانی نظام کے ٹوٹنے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ اگر کسی ایک معاشرے یا ایک قوم میں اس عمل کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ جس قدر تعلیم پھیل رہی اور ترقی ہو رہی ہے۔ یہ مصیبتیں اور تکلیفیں اور مصائب بھی اسی تناسب اور مقدار سے بڑھ رہی ہیں۔ مثال کے طور پر یوگوسلاویہ میں سب سے زیادہ سلووینیا ترقی یافتہ ہے جہاں شرح تعلیم اٹھانوے فیصد ہے لیکن وہاں ہر لاکھ میں سے ۳۵۴۸ افراد خودکشی کرتے ہیں۔ کم ترقی یافتہ کوسوو میں جہاں تعلیم ۵۶ فیصد ہے۔ خودکشی کی شرح ۳.۴ فی لاکھ ہے۔

(بحوالہ: اسلام اور مشرق، مغرب کی تہذیب کشمکش ص ۱۲۶)

(۵۶) ڈاکٹر انتھولی لائل

انچارج عوامی صحت

برطانیہ کی یونیورسٹیوں میں خودکشی کی شرح قومی شرح سے چھ گنا زیادہ ہے اور برطانیہ کے نوجوان جس شرح سے خودکشی کرتے ہیں۔ کیمرج یونیورسٹی میں اس کی شرح دس گنا زیادہ ہے۔ حالانکہ برطانیہ کے طالب علم عموماً اُمرا اور دولت مند گھر کے ہوتے ہیں۔ یا سرکاری وظائف پر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید تمدن نے جس صورت میں جس جگہ بھی ترقی کی ہے اس کا نتیجہ بہرحال یہی نکلا۔ اپنی ایجاد کے بعد کاروں نے حادثات میں اتنے زیادہ انسانوں کی جان لی جتنی کہ تمام جنگوں میں قتل نہیں ہوئے اور یہ ناممکن ہے کہ موجودہ (سائنس اور ٹیکنالوجی) کے تمدن کو چھوڑے بغیر ان تمام آفات کا مقابلہ کیا جاسکے۔ (بحوالہ: اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۱۲۸)

(۵۷) کواباتا...... جاپانی شاعر وناول نگار

انسان دوسرے انسانوں سے گویا ٹھوس دیوار کے ذریعے الگ ہو گئے ہیں اور ان کے درمیان محبت کی ترسیل بند ہو چکی ہے۔ ترقی کے نام پر فطرت کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ (بحوالہ: اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۱۳۴)

(۵۸) آندرے مالراکس...... ناول نگار

یہ یورپ ہے جو انسانی خون کے دھبوں سے بھر گیا ہے اور تباہ ہو گیا ہے۔ یورپ نے انسان کا وہی خون بھرا نقشہ تیار کرلیا ہے جو وہ تیار کرنا چاہتا تھا۔

(بحوالہ: اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیب کی کشمکش ص ۱۳۵)

(۵۹) پال ویلری

یورپ کی ثقافت کے بارے میں کوئی چیز واضح نہیں رہی علم بھی ایسا ہے جو کسی چیز کو بچانے میں ناکام رہا ہے۔ یہاں سائنس ہے جس نے اخلاقی قدروں کو تباہ کر دیا ہے۔ انسانیت کو ذبح کرنے کے بعد جو نظریہ باقی رہ گیا ہے وہ شکوک وشبہات جرائم، حرص و ہوا کا مرکب معجون ہے۔ مذاہب تک خالص نہیں رہے اور افادیت کھو چکے ہیں۔ صلیب صلیب کے خلاف اور ہلال ہلال کے خلاف سر بستہ شکوک وشبہات پھیلانے والے لوگ معتبر ہیں۔ وہ بداعتقادی پھیلانے والے واقعات کو ہوا دے رہے ہیں۔ وہ ہمارے جذبات کے ساتھ اس طرح کھیلتے ہیں جس طرح بلی چوہے کے ساتھ شکوک وشبہات کے مارے ہوئے یہ لوگ بھی اپنا اعتماد کھو چکے ہیں۔ اور کبھی دوبارہ بھی حاصل کر لیتے۔ وہ اس تخریب کاری میں اپنے دفاع کی صلاحیتوں اور حواس کو استعمال کرتے ہیں۔

(بحوالہ: اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش، ص ۱۳۵، از: علی عزت بیگووچ)

(۶۰) رینی گیونن...... فرانسیسی مفکر

عہد حاضر کی تہذیب رفتہ رفتہ تنزل کی طرف گرتی گئی ہے۔ حتی کہ یہ انسان کے پست ترین عناصر کی سطح پر جا کر غرق ہوگئی ہے۔ اس کا نصب العین اور مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انسانی فطرت کے محض مادی گوشوں کے تقاضے کو پورا کیا جائے۔ یہ مقصد خود اک دھوکہ ہے اس لئے کہ یہ جس قدر انسانی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اس سے زیادہ مصنوعی ضروریات کو پیدا کر دیتا ہے۔

اس زمانے کے انسان نے نہ صرف اپنی ذہنی محنتوں کو مشینوں کی ایجاد اور ساخت کے لئے وقف کر رکھا ہے بلکہ وہ خود آہستہ آہستہ مشین بن چکا ہے یہ

ایجادات جن کا شمار دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اور بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لئے کہ یہ ان قوتوں کو بروئے کار لا رہی ہیں جن کی اصلی حقیقت کا علم ان انسانوں کو نہیں جو انہیں استعمال کرتے ہین جو لوگ مادہ کی وحشی قوتوں کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ خود ہی ان کے ہاتھوں تباہ ہو جاتے ہیں۔ دورِ حاضر میں مادی قوانین کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خود انسان کو برباد و تباہ کر دے گا۔ جو خود مادہ سے بلند ہو کر مادہ کی تسخیر چاہتا ہے۔

اس لئے کچھ دور نہیں کہ موجودہ دنیا خود ان ہی ایجادات کے ہاتھوں تباہ ہو جائے۔ (کتاب دی کرِسس آف دی ماڈرن ورلڈ، بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۳، از: غلام احمد پرویز)

(۶۱) پروفیسر میسن

ہم نے اپنے زمانہ کی ابتدا سائنس کی کاریگری سے کی اس یقین کے ساتھ کی دنیاوی و مادی کامیابیاں۔ زندگی کی مشکلات کو حل کر دیں گی۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم غلطی پر تھے۔ زندگی کے مسائل ایسے آسان نہیں۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن، ص ۲۱)

(۶۲) پروفیسر ماڈگل ...... صدارتی خطبہ ۱۹۲۴ء

ایٹمز ختم ہو چکے ہیں مادہ نے اپنے آپ کو توانائی میں تحلیل کر دیا ہے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۱)

(۶۳) پروفیسر ماڈگل

ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ ہم پیدائش کی ابتدا کی تحقیق کے لئے قانون فطرت کو اپنا راہ نما بنا سکیں۔ (بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۱)

(۶۴) پروفیسر میسن

بڑھتی ہوئی مادی و دنیاوی خواہشات کی تسکین و راحت کے لئے کشمکش زندگی نے یہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل کر دی کہ انسانی زندگی کا سرچشمہ غیر مادی روحانیت میں ہے کیونکہ سائنس نے مادی کامیابی (جو درحقیقت انتہا کی ناکامی تھی) عطا کر دی اس لئے ہم سائنس کی اسی طرح پوجا کرنے لگ گئے جس طرح ہمارے بزرگ جادو کی پوجا کرتے تھے۔ یہ روش و طریقہ درحقیقت اس زندگی سے فرار کی راہ تھی۔ جس میں انسانی خودی اپنے استحکام کے لئے ضبط نفسی کی طلبگار تھی اور ضبط نفس یقیناً ایک مشقت طلب مرحلہ ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جس طرح و جس قدر مادی و دنیاوی کامیابی بڑھتی جاتی ہے خودی و انسانیت کی پسندیدگی ختم ہوتی جاتی ہے۔

یہ ہے ہمارے دور کی ناکامی کا اصلی راز۔ خوشحالی اس قدر زیادہ ہے کہ کیا بات ہے۔ عیش و عشرت کے ساز و سامان ہر مقام پر موجود ہیں۔ مادی کامیابی کے ذریعے اور موقع بے حد ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود انسان بے حد غیر مطمئن اور پریشان و تباہ حال ہے۔ تخلیق کی قوت محرکہ، کبھی مستقل طور پر ایسے نظریہ کو سینے سے نہیں لگائے رکھ سکتی جو انسانی ذات کو محض مادہ کی نمود قرار دے۔ ایسے نظریہ کے ماتحت افراد اور قومیں دونوں تباہ ہو کر خاک میں مل جاتی ہیں۔

(بحوالہ: تفسیر معارف قرآن ص ۲۲)

(۶۵) ڈاکٹر ولیم براؤن

استاد فلسفہ آکسفورڈ یونیورسٹی

قلب انسانی کے وہ بنیادی رجحانات ہیں جن کی براہ راست بلاواسطہ

عقل انسانی ترجمانی نہیں کر سکتی۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۲ از: غلام احمد پرویز)

(۶۶) ڈاکٹر ولیم براؤن

اخلاقیات کی قدر و قیمت نفس انسانی کے تحت متعین ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ ہم انسان کے باہمی تعلقات کو کتنا ہی افادی و مادی و دنیاوی حیثیت پر مبنی قرار دیں، انسان کا جو تعلق خود اس کی اپنی ذات سے ہے اسے ہم غیر مادی ماننے پر مجبور ہیں۔ انسان کو اپنے مادی مفاد کو زندگی کے تقاضوں کے تابع رکھنا ہوگا تا کہ وہ اس کی ذات کے استحکام سے ایک بلند قدر و قیمت حاصل کر سکے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۲، از: غلام احمد پرویز)

(۶۷) پروفیسر میسن

ہمارے دور میں جس چیز کی کمی ہے اور جس کی وجہ سے یہ اپنی ناقصیت کو محسوس کر رہا ہے۔ وہ انسانی خودی ہے۔ جس کی نمود اور اظہار مادہ اور روح دونوں میں ہونی چاہیے انسان مادی کامیابیوں میں ڈوبا ہوا۔ پریشان اور ایک عجیب الجھاؤ میں ہے اس لئے کہ اس کی ذات اپنے آپ کو مادہ سے بلند نہیں لے جا سکتی بلکہ مادہ کے اندر ڈوبی ہوئی محسوس کرتی ہے۔ اس کی پریشانی اس لئے ہے کہ اس کا تحت الشعور یہ چاہتا ہے کہ وہ ثابت کر دے کہ وہ مادے سے جن چیزوں کو بناتا ہے خود ان سے کچھ زیادہ ہے۔ وہ مادی کاریگری کو بحال رکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ یہ قوت تخلیق کی مدد کے لئے ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مادیت سے بلند لے جائے اور اس کی ذات کا اندازہ اس کی مادی تخلیق سے نہ لگایا جائے بلکہ اس سے کہ وہ خود کیا ہے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۳)

(۶۸) رینی گیونن......فرانسیسی مفکر

مغرب کے غرق ہو جانے کا خطرہ سر پر ہے۔ وہ خود تو ڈوبے گا ہی لیکن اپنے ساتھ تمام بنی نوع انسانی کو بھی اپنے منتشر افکار و اعمال کے گرداب میں غرق کر دے گا۔ (بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۳، از: غلام احمد پرویز)

(۶۹) پروفیسر میسن

سو آج زندگی میں روحانی اثرات کی بڑی کمی ہے لیکن وہ غلط روحانیت نہیں جو مادہ کو محض مادہ ہونے کی وجہ سے شر خیال کرتی اور انسان کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ دور حاضر میں مادیت کے روحانی مفہوم کو سامنے لانے کی ضرورت ہے یعنی ہم نے اس حقیقت کو بھلا دیا ہے کہ خود ہمارا اور مادہ کا سرچشمہ اولی ماوراء مادہ ایک روح خالص ہے۔ ہم یہ نہیں جانتے کی افادی تخلیق کے ساتھ روح کی آمیزش و ملاوٹ کس طرح کی جائے۔ اس لئے کہ ہم یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ ہماری زندگی کا سرچشمہ مادہ ہے اور مادہ کا سرچشمہ کہیں بھی نہیں۔ (یوں سمجھئے کہ ہم یہ نہیں جانتے کہ مادیت اور روحانیت میں کس طرح موافقت پیدا کی جائے)۔ (بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۷، از: غلام احمد پرویز)

(۷۰) ڈلبائز...... ماہر تحلیل نفسی

علم تحلیل نفسی نے نفس انسانی کے بنیادی مسائل کو جہاں پایا تھا وہیں چھوڑ دیا۔ (بحوالہ: تفسیر معارف القرآن، ص: ۲۷، از: غلام احمد پرویز)

(۷۱) افلاطون...... قدیم فلسفی

اب میں ایک تمثیل کے رنگ میں بتاتا ہوں کہ ہماری فطرت کہاں تک

روشنی حاصل کر چکی ہے اور کہاں تک ہنوز اندھیرے میں ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ نوع انسانی ایک زیر زمین غار میں رہتے ہوں۔ اس غار کا منہ روشنی کی طرف کھلتا ہے اور اندر سب اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ نوع انسانی اپنے عہد بچپن سے اس غار کے منہ پر اس طرح زنجیروں میں جکڑی بیٹھ ہے کہ ان میں سے کوئی پیچھے کی طرف مڑ کر نہیں دیکھ سکتا۔ ان کے پیچھے آگ کے بڑے بڑے چمکتے شعلے نور دے رہے ہیں۔ جس سے غار کے آخری بندوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان شعلوں اور آدمیوں کے درمیان بہت سے لوگ گزر رہے ہیں۔ جس کے پاس قسم قسم کے ظروف مختلف سامان طرح طرح کے مجسمے اور دنیا بھر کی چیزیں ہیں۔ یہ لوگ ایک طرف سے دوسری طرف گزر رہے ہیں۔ ان کا اور ان تمام چیزوں کا سایہ سامنے کی دیوار پر پڑتا ہے۔ غار کے منہ پر بیٹھے ہوئے انسان ان تمام اشیاء کا سایہ سامنے کی دیوار پر دیکھ سکتے ہیں۔ پیچھے مڑ کر ان اشیاء کی حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے ان کے نزدیک حقیقت فقط اس سائے کا نام ہے۔ جو ان کے سامنے دیوار پر ادھر سے ادھر گزرتا دکھائی دے رہا ہے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۱۸۱، از غلام احمد پرویز)

(۷۲) سر جیمس جینز......ممتاز سائنسدان

اس بات کا ہر شخص کو اعتراف ہے کہ ہم ابھی تک حقیقت مطلقہ تک نہیں پہنچ سکے۔ افلاطون کی مشہور تمثیل کے الفاظ میں ہم ابھی تک اپنے غار کے منہ پر زنجیروں میں جکڑے بیٹھے ہیں۔ روشنی کی طرف پیٹھ اور اندھیرے کی طرف رُخ اور جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے وہ محض دیوار پر چلنے والے سائے ہیں۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۱۸۲، از: غلام احمد پرویز)

(۷۳) سر جیمز جینز

"جو کچھ کہا گیا ہے اور جن جن نتائج پر ہم پہنچ سکے ہیں۔ سچ پوچھیے تو وہ سب محض ظن و قیاس اور غیر یقینی ہے۔ ہم نے اس مسئلہ ہر بات کرنے کی کوشش کی ہے کہ آیا دور حاضر کی سائنس ان مبہمات و مجلی مسائل کے متعلق جو شاید سرحد ادراک انسانی کے باہر ہیں۔ حتمی طور پر کچھ کہہ سکتی ہے۔ ہم اس سے زیادہ کچھ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہم زیادہ سے زیادہ روشنی کی ایک دھندلی سی جھلک دیکھ پائے ہیں اور شاید یہ ہمارا فریب نگاہ ہی تھا کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں کچھ دیکھنے کے لئے اپنی نگاہوں پر بڑا ہی زور دینا پڑتا ہے۔ لہٰذا ہم بمشکل کہہ سکتے ہیں کہ دور حاضر کی سائنس حقیقت کے متعلق کوئی دعویٰ کر سکتی ہے۔ شاید یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ سائنس کو یہ دعویٰ ترک کر دینا چاہیے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ دریائے علم نے خود اپنے بہاؤ کے خلاف پلٹا لیا ہے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۱۸۲، از: غلام احمد پرویز)

(۷۴) ڈاکٹر جیمس آرنلڈ کروتھر

پروفیسر طبعیات ریڈنگ یونیورسٹی

نظام فطرت اپنی گہری بنیادی سادگی میں اس قدر حیران کن ہے کہ دنیائے سائنس میں کسی موضوع پر حرف آخری آخری انسان کے لیے ہی چھوڑ دینا پڑتا ہے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن، ص ۱۹۶، از: غلام احمد پرویز)

(۷۵) ڈاکٹر ایٹیکن

علم الافلاک کا ماہر کیلیفورنیا (امریکہ) کی رصد گاہ کا ڈائریکٹر

''کائنات کی ابتدا اور انتہا کے متعلق ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔''

(بحوالہ: دی گریٹ ڈیزائن بحوالہ تفسیر معارف القرآن ص ۳۵، از: غلام احمد پرویز)

(۷۶) سر فرانس ینگ ہسبنڈا

''ہم سائنس سے جو کچھ معلوم کر سکتے ہیں وہ اتنا ہی ہے کہ علم کا سمندر بے کنار ہے، ہم یہی معلوم کر سکتے ہیں کہ ہم فطرت کے بارے میں کبھی بھی سب کچھ نہیں جان سکتے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۵۴، از: غلام احمد پرویز)

(۷۷) پروفیسر الفریڈ کیبن

''ہم کبھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ اور تو اور سائنس کی محدود دنیا میں بھی قطعی حقیقت کا علم حاصل کر لیا گیا ہے۔''

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۱۹۶، از: غلام احمد پرویز)

(۷۸) پروفیسر الفریڈ کیبن

''گذشتہ کچھ عرصہ سے عقل کچھ ایسی ٹھکرائی ہوئی کہ اب اسے چند فریب خوردہ ماوراء طبیعی لوگوں کی چھوڑی ہوئی توہم پرستی خیال کیا جاتا ہے''۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۱۹۶ از غلام احمد پرویز)

(۷۹) پروفیسر الفریڈ کیبن

عہد حاضر کا سب سے بڑا امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ اب چاروں طرف سے عقل اور عقل پرستی پر حملے ہو رہے ہیں۔ سائنس نے خود عقل پر دھاوا بول دیا ہے۔ (بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۱۹۶، از: غلام احمد پرویز)

(۸۰) ڈبلیو این سکل کیبن

سائنسدان

اب اپنے متعلق احساس ہو گیا ہے۔ اس لئے اب اس میں عاجزی اور جھکاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ اب ہمیں یہ نہیں پڑھایا جاتا کہ حقیقت کا علم حاصل کرنے کے لئے سائنس واحد ذریعہ و طریقہ ہے۔ (واحد طریقہ تو ایک طرف) اب تو دنیائے سائنس کے بڑے بڑے مشہور بزرگ اس بات پر اصرار اور ضد کرتے ہیں اور بڑی شدت سے کہ جہاں تک اوراک حقیقت کا تعلق ہے۔ سائنس صرف جزوی علم دے سکتی ہے۔

(لمیٹیشن آف سائنس، بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۱۹۹، از: غلام احمد پرویز)

(۸۱) ارسطو...... قدیم یونانی فلسفی

قدیم وجدید فلسفہ کے ماہرین کا اتفاق کہ عقل محض جذبہ و خواہش کی لونڈی ہے۔

ہر عمل جو ارادۃً سرزد ہو بظاہر کتنا ہی مطابق و موافق عقل ہو۔ درحقیقت ہمارے مفاد پر مبنی ہوتا ہے اور مفاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ جذبات پر ہو۔ قوت ارادی کو عمل کے لئے تیار کرنے کے لئے مفاد مادی کا احساس نہایت ضروری ہے۔ اس کے سوا اس کے لئے اور کوئی جذبہ محرک نہیں ہوتا۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۰۱۔ از: غلام احمد پرویز)

(۸۲) پروفیسر سی-ای-ایم جوڈ...... مفکر یورپ

عقل درحقیقت ہماری خواہشات کی لونڈی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ ہم جن مقاصد کو غیر شعوری طور پر حاصل کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔ ان کے حصول کے لئے ذرائع و اسباب پہنچا دے اور جو کچھ ہم کرنا چاہیں اس کے جواز کے لئے دلائل تلاش کر کے مہیا کر دے۔ (بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۰۱، از: غلام احمد پرویز)

جہانِ مغرب کے بتکدوں میں مدرسوں میں کلیساؤں میں
ہوس کی خونریزیاں چھپاتی ہے عقلِ عیار کی نمائش

(اقبال علیہ الرحمہ)

(۸۳) پروفیسر جوڈ

اس زمانہ میں مشین نے انسان کو بے پناہ قوت دے دی ہے اور اس قوت سے وہ ہر قسم کا کام لے سکتا ہے۔ لیکن اتنی قوت پا کر وہ سکھی نہیں ہوا۔ بلکہ وہ اور دکھی ہے۔ آج مشین کی طاقت انسان کو تباہ کر رہی ہے اور انسان کا انجام اچھا نظر نہیں آتا۔

بے شک انسان بظاہر فطرت کو مسخر کرنے میں اپنے آباؤ اجداد سے بہت آگے نکل گیا ہے لیکن جہاں تک اس کے اپنے رہنے سہنے اور دوسروں سے مل کر زندگی گزارنے یعنی اخلاق اور سیاست کا تعلق ہے۔ وہ اب تک وہیں کھڑا ہے جہاں ہزاروں برس پہلے یونان کے قدیم لوگ تھے۔ ہم نے گو مادی ترقی تو بہت کر لی ہے لیکن روحانی اور اخلاقی طور سے ہم ذرا بھی آگے نہیں بڑھے اور آج رونا بھی اس بات کا ہے اور ساری ضرورت بھی یہی ہے کہ ہم اپنی مادی

طاقت کے مطابق اپنے اندر روحانی اور اخلاقی عقل پیدا کر سکیں ورنہ طاقت وبال جان ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا کہ اب ہم یہ عقل اخلاقی کیسے سیکھیں اور موجودہ اخلاقی روحانی موت کو زندگی سے کیسے بدلیں؟ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کہیں امید نظر نہیں آتی اور علامات بھی کچھ ایسی ہیں کہ ناامید ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ مشینی طاقت کو قابو میں رکھنا اور نئی اخلاقی قدروں کو پیدا کرنا اس دور میں مشکل ہو گیا ہے۔ نوجوان روایتی مذہب سے بالکل ہٹ چکے ہیں۔ کوئی اخلاقی ضابطہ انہیں پسند نہیں آتا۔ اعلیٰ نصب العین سے وہ بیزار ہو چکے ہیں اور زندگی کی شب و روز مسرتوں سے ہی راحت پاتے ہیں۔ کسی وعدہ فردا (کل کا وعدہ) کا انتظار ان کو بہت بھاری ہے اور عشرت امروز ہی اب ان کا عقیدہ بن گیا ہے۔ آج کھالو پی لو کل کو تمہیں مرنا ہے۔ یہ ہے اصول آج کے نوجوان کا اور شاید یہ وہی دور ہے جو سپنگلر کے الفاظ میں کسی کلچر و تہذیب کی موت کا پیش خیمہ ہے کیا ہم سمجھ لیں کہ موجودہ تمدن فنا کے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا اور یورپ پر اب موت کا وقت ہے اور جو کچھ روما کے ساتھ ہوا۔ اب بعینہٖ یہی حشر یورپ کا ہو گا۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۰۹، از: غلام احمد پرویز)

(۸۴) پسکال ...... مغربی فلسفی

انسانی ذہن اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ وہ کسی نہ کسی چیز پر ایمان رکھے اور اسی طرح انسان کا ارادہ بھی کسی نہ کسی سے محبت کرنے پر مجبور ہے اور جب ایمان اور محبت کے لئے اس کو کام کی باتیں نہیں ملتیں تو وہ بیکار اور خراب مقصدوں پر ریجھ جاتا ہے۔ خلا قدرت کے کارخانے میں محال ہے اور محض مادی دنیا میں نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی دنیا میں بھی خلا ناممکن ہے۔ انسان جب خدا پر ایمان

چھوڑ دے تو شیطان کی پوجا کرنے لگتا ہے اور اچھے نصب العینوں سے دستکش ہو جائے تو بُرے راستے اس کو خوش آتے ہیں۔ یورپ کو اگر اس دلدل سے نکلنا ہے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ بے یقنی کی جگہ یقین اور ایمان لے لے۔ بے راہ روی ختم ہو اور یورپ والے نئی قدروں ضابطوں سے محبت کریں۔ وہ زندگی جس میں ایمان کی گرمی نہ ہو اور نہ اخلاقی ضابطہ کی کشش تو وہ زندگی موت سے بدتر ہے لیکن ہمارے اندر اس اخلاقی اور ایمانی نصب العین کو حاصل کرنے کی کوشش وتلاش کا مادہ فنا نہیں ہوا۔ اور اس سے امید ہوتی ہے کہ شاید ہم نئے دور کو پیدا کرسکیں اور اخلاقی اور مذہبی اقدار نہ ہوتے سی ہماری زندگی میں جو ضد پیدا ہو گیا ہے۔ وہ پھرا جا سکے۔ اگر یہ نہ ہوا تو ہماری تہذیب (سائنسی وٹیکنالوجی) آپس میں ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گی۔

اگر ہمیں بچنا ہے تو اپنے لئے کوئی مذہب تلاش کرنے ہو گا جس کو ہم دل سے مانیں اور اس کے اصول زندگی پر ڈھلیں۔

(بحوالہ: تفسیر المعارف القرآن ص ۲۰۹-۲۱۰)

(۸۵) پروفیسر سیموئیل

سائنس نے بہت تھوڑا فاصلہ طے کیا ہے۔ زندگی اور نفس کے متعلق آج ہمارا علم قریب قریب اسی مقام پر ہے جہاں مادہ کے متعلق ہمارا علم تین چار صدیاں پہلے تھا۔ (بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۱۴، از: غلام احمد پرویز)

(۸۶) سرچارلس شیرنگ

دل اور دماغ کا باہمی تعلق کیا ہے؟ اس کے متعلق نہ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسئلہ ناممکن کیا بلکہ یہ بھی کہ ابھی تک۔ وہ بنیاد بھی نہیں معلوم ہو سکی

جہاں سے اس سوال کے حل کی ابتدا کی جا سکتی ہے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۱۴، از: غلام احمد پرویز)

(۸۷) سر چارلس شرنگ

نظریہ ارتقاء اگرچہ ہمارے جسم کی ارتقائی منازل کے متعلق ہمیں بہت کچھ بتایا ہے لیکن ہمارے نفس کی ارتقائی منازل کے بارے، بہت ہی کم۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۱۵، از: غلام احمد پرویز)

(۸۸) لارڈ بلفور...... ماہر علم النفس

کوئی شخص نہ یہ محسوس کر سکتا ہے اور نہ اس امر و بات کو احاطۂ تصور میں لا سکتا ہے کہ طبعی تبدیلیاں کس طرح نفسیاتی تجارب پیدا کرتی ہیں۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۱۵، از: غلام احمد پرویز)

(۸۹) لارڈ بلفور...... ماہر علم النفس

نفس یا انا چند خصائص ور جحانات کا ہی مجموعہ نہیں بلکہ یہ شعوری زندگی کا ایک نیا معرکہ اور شعوری سرگرمیوں کا نیا سرچشمہ ہے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۱۵، از: غلام احمد پرویز)

(۹۰). پروفیسر ایڈنگٹن

ہم نے اس سے پہلے یہاں تک بحث کی ہے کہ بجلی کے ذرات کس طرح سمٹ سمٹا کر انسانی پیکر کی صورت اختیار کر گئے لیکن ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا کہ انسان ان عناصر سے جن کے متعلق پہلے بحث ہو چکی ہے۔ بالکل

مختلف اور جداگانہ چیز ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ شعور نے ارتقائی منازل طے نہیں کی لیکن یہ حقیقت کا ایک ایسا پہلو ہے جو ہماری مادی تحقیق و تفتیش کے دائرے میں نہیں آسکتا۔ یہاں سے مادہ اور روح کی دوئی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ایک طرف شعور ہے کہ وہ مختلف خیالات و کیفیات کی آماجگاہ ہے دوسری طرف مادی دماغ ہے جس میں سالمات و برقیات بگولہ کی طرح رقص کرتے ہیں۔ ان دونوں میں باہمی تضاد و تباین بھی ہے اور عجیب و غریب قسم کا تطابق اور موافقت بھی ہے۔ میکانکی تصور حیات یہی کہے گا کہ جب ہمارے دماغ میں برقی سالمات رقص کرتے ہیں تو ان سے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ شعور انسانی، جذبات وخواہشات، آرزوؤں اور امنگوں کو حقوق و فرائض کی ایک نرالی دنیا اپنے اندر لئے ہے۔ جن کے ادنیٰ سے اشارہ پر دماغ کے تمام اجزاء لاتجزی رقص کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ وہ دنیا ہے جہاں کے احوال و کوائف طبیعیات کے پیمانوں سے نہیں ماپے جاسکتے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن، ص ۲۱۳، از: غلام احمد پرویز)

(۹۱) پروفیسر ایڈنگٹن...... ماہر نفسیات

محسوسات کی دنیا میں ہم اشیاء کی حقیقت کے متعلق کچھ بھی علم نہیں رکھتے ہم صرف ان اشارات سے اشیا کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن اگر ہم ان اشارات کو اس حقیقت کی دنیا کے پس منظر کے سامنے رکھ دیں جس سے ہمارا قلب یا دل متعلق ہے۔ تو ہم اشیاء کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں لیکن خود قلب انسان کی حقیقت، طبیعیات کے قوانین سے معلوم نہیں ہوسکتی اس لئے کہ یہ قوانین صرف اشارات تک جاسکتے ہیں۔ ان سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ لیکن جب زندگی

شعور کے ساتھ تعلق جوڑتی ہے تو ہم بالکل جداگانہ دنیا میں جا پہنچتے ہیں۔ یہ وہ دنیا ہے جس میں طبیعیات اور کیمیاء کے اصول اسی طرح ناکام رہ جاتے ہیں جس طرح یہ کوشش کہ انسانوں کی جماعت پر گرامر کے قواعد وضوابط کی طرح قوانین سے حکومت کریں۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۱۴، از: غلام احمد پرویز)

(۹۲) پروفیسر بریفلٹ

ہمارے اپنے طبیعیاتی اور حیاتیاتی نظریے آنے والی نسلوں کو اسی طرح عجیب لگیں گے جس طرح آج ہمیں وہ نظریے دکھائی دیتے ہیں جن میں سائنس اپنے بچپن کے زمانہ میں لپٹی ہوئی تھی۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۴۴۴، از: غلام احمد پرویز)

(۹۳) پرنسپل کارڈ

کسی اعلیٰ فطرت کا اپنے سے ادنیٰ فطرت، یعلا محدود کا محدود پر اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہماری سمجھ میں آسکتا ہے لیکن کسی محدود کا لامحدود کو ثابت کرنا یا اس کے اثبات کے دلائل لانا ہمارے تصور میں نہیں آتا۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۴۴۴، از: غلام احمد پرویز)

(۹۴) پروفیسر بریفلٹ

اگر انسان بادلوں سے اونچا اڑنے لگ جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسانیت کی سطح بھی اتنی بلند ہوگئی ہے نہ ہی سو میل فی گھنٹہ کی رفتار کے معنی ترقی ہیں۔ انسان اگر ستاروں کو تولنے کے قابل ہو جائے اور علوم فنون کے وسیع

میدانوں میں گھوڑے دوڑنے لگ جائے تب بھی اس کے جوہر ذاتی میں قلب ماہیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ انسانی معاملات کہیں گہرے ہوتے ہیں۔ قوت تہذیب، کلچر بے معنی رہ جاتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ اخلاقی برائیاں ہوں۔ وہ صحیح پیمانہ جس سے انسانی دنیا کی قدرو قیمت ماپی جا سکتی ہے۔ اخلاقی پیمانہ ہی ہے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۴۴۰، از: غلام احمد پرویز)

(۹۵) بریفلٹ ...... تاریخ دان

وہ نظام تہذیب جس میں حق و صداقت کو عادی طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہو آخر الامر تباہ ہو جاتا ہے (جیسا کہ دور حاضر کی سائنسی و ٹیکنالوجی والی تہذیب) ناانصافی سے کوئی فرد کیسا ہی کامیاب کیوں نہ ہوتا چلا جائے وہ اجتماعی نظام جس کا وہ جزو ہے اور وہ جماعت جو اس انصاف کے ثمرات سے نفع اندوز ہوتی ہے اس ناانصافی کی وجہ سے انجام کار برباد ہو جاتی ہے۔ انتخاب طبعی کے اٹل قانون کی بناء پر گناہ کی اجرت موت ہے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۴۴۱، از: غلام احمد پرویز)

(۹۶) پروفیسر سی-ای-ایم جوڈ ...... مفکر یورپ

انیسویں صدی سائنس کی کامیابی کا زمانہ تھا سائنس نے ہمیں سستا کوئلہ اور کپاس دی اور رسل و رسائل میں انقلاب پیدا کر دیا اور دیگر سینکڑوں طریق سے انسانی زندگی میں تبدیلیاں پیدا کر دیں اور اس کے آرام کے دیگر ساز و سامان مہیا کر دے۔ لیکن یہ سائنس دو دھاری تلوار تھی جس نے انسان کو وہ قوتیں عطا کر دیں جن کا طریق استعمال وہ نہیں جانتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی قتل و غارتگری کی استعداد میں بہت اضافہ ہو گیا اور اس طرح اس کی تہذیب تباہی کے

جہنم کے کنارے تک جا پہنچی۔ انیسویں صدی نے نہ صرف سائنس کی ترقی دیکھی اور یہ ہمارے لئے چھوڑ دیا کہ ہم دیکھیں کہ سائنس کی اس ترقی کے ساتھ ساتھ انسانیت میں کس طرح تباہی و زوال و تنزل واقع ہوتا گیا۔

(بحوالہ: گاڈ اینڈ ایول ص ۱۱۴، بحوالہ تفسیر معارف القرآن ص ۴۴۱، از: غلام احمد پرویز)

(۹۷) پروفیسر بریفلٹ

انسانی ہیئت اجتماعیہ (نظام حکومت) کا کوئی نظام جس کی بنا باطل اصولوں پر ہو کبھی قائم نہیں رہ سکتا (جیسا کہ مغرب کی تہذیب جدید) خواہ اس باطل نظام کو کیسے ہی تدبیر اور دانشمندی سے کیوں نہ چلایا جائے۔ اس کی بنیادی کمزوری خارجی نظم و ربط اور ادھر اُدھر کی جزئی مرمت سے کبھی ختم نہیں ہو سکتی (جیسا کہ سائنسی اصول و اسباب کے ذریعے جرائم و امراض پر کنٹرول کرنا) جب تک اس کی اصل باقی ہے اس کے لئے تباہی مقدر ہے۔ روما کی سلطنت عام انسانوں کو لوٹ کھسوٹ سے ایک خاص جماعت کو مالدار بنانے کا ذریعہ تھی۔ انہوں نے اس سوداگری کو نہایت قابلیت اور تدبر خلوص اور دیانت داری سے چلایا لیکن حسن انتظام کی یہ تمام خوبیاں، بنیادی باطل کو اس کے فطری نتائج سے نہ بچا سکیں۔ غلط بنیادوں کے اثرات بلا رو و رعایت نتیجہ خیز ہو کر رہے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۴۳۷، از: غلام احمد پرویز)

(۹۸) پروفیسر محمد ہارون نو مسلم

پروفیسر آکسفورڈ یونیورسٹی برطانیہ

جدید دور نئی تہذیب کی کامیابی اور پھر ناکامی کا دور ہے۔ سو سال پہلے سائنس پر بہت گہرا اعتقاد تھا اس وقت سے اب تک ہم سائنس کی تنگ دامنی اور

بہتر دنیا کی تعمیر میں ناکامی کا مشاہدہ کر چکے ہیں بلکہ سائنس نے اور بھی نئے خدشات جنم دیے ہیں جس سے سائنس پر یقین ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ جدید زمانہ ایسا زمانہ ہے جس میں جدید ثقافت بھی ناکام ہو گئی ہے۔ یہ عہد یورپ اور بقیہ دونوں دنیا میں جدید ثقافت کی تخریب و تباہی کا دور ہے۔ سائنس کے پیچھے بھاگنے اور سائنس کی ساری تبلیغ کی غلطی کو جان لیا ہے۔

(بحوالہ: امام احمد رضا کی عالمی اہمیت ص ۴ مترجم پروفیسر مسعود)

(۹۹) پروفیسر و پرنسپل جون کیرڈ

وائس چانسلر گلاسکو یونیورسٹی

آج تک اس امر پر کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی کہ زندگی محض کیمیائی عناصر سے پیدا ہو گئی ہو۔ بہتر ہے یہ قیاس کی زندگی کا ارتقاء کسی اور زندگی کے اثر کے بغیر بھی ممکن بلا دلیل ہے۔

(بحوالہ: خطبات ۹-۷-۸-۱۹۷، از تفسیر معارف القرآن ص ۴۳۵ از غلام احمد پرویز)

(۱۰۰) نٹشے ...... جرمنی فلسفی

سائنسی اور فلسفی تعریف وحد کے اعتبار سے یورپ کے اعلیٰ انسانی کی خصوصیات وصفات وافعال ومقاصد جرمنی فلسفی نٹشے کے نزدیک کیا ہیں؟

(فوق البشر اعلیٰ انسان)

اہم مقاصد کی خاطر اخلاقی پابندیوں سے آزاد، فعال، خلاق، ہر قسم کی زنجیروں کو توڑنے والا اور کسی کے حکم کو نہ ماننے والا اس کے نزدیک زندگی فقط اسی دنیا کی زندگی ہو گی۔ ہر وہ شئے جو طاقت اور عزت میں رکاوٹ بنے فنا کر دی

جائے گی۔ گناہ، جنت، جہنم، موت، قبر کا خوف دل سے نکال دیا جائے گا۔ اس کے نزدیک کسی پر رحم کرنا بربادی اور تباہی کے برابر ہوگا۔ اس لئے کہ یہ چیز (یعنی رحمت و مہربانی) عمل کے راہ میں رکاوٹ ہے اس کا مقصد سختی اور بس سختی ہی ہوگا اور سختی ہی دنیا میں نیکی ہے۔

(کتاب: ہم اسکپٹس آف لائف اینڈ ورکس آف نائٹ زچ،
بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۷۸ از: غلام احمد پرویز)

(۱۰۱) سکلم برگر......فلسفی

فلسفہ کی اصطلاحات انسانی جذبات کی ترجمانی نہیں کر سکتیں۔ ان سے ہماری دنیا میں کوئی صدائے بازگشت نہیں اٹھتی۔ کسی قسم کی گونج پیدا نہیں ہوتی۔ وہ ہمیں ایک خالص عقلی تصور سے زندہ خیالی کی طرف نہیں لے جاتیں۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۷۶ از؛ غلام احمد پرویز)

(۱۰۲) پروفیسر ایڈنگٹن

ہم اس امر کا اعتراف کر چکے ہیں کہ طبیعیات کی دنیا حقیقت کا صرف ایک جزوی گوشہ ہے اب سوال یہ ہے کہ ہم حقیقت کے دوسرے گوشے کی متعلق کس طرح بحث کریں؟ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس دوسرے حصے کا ہم سے ایسا واسطہ نہیں۔ جیسا طبیعیات سے متعلق ہے۔ ہمارا شعور، احساس، مقصد، اقدار سے بھی اسی طرح مرتب ہوتا ہے۔ جس طرح حسی نقوش سے ہم حسی نقوش کا تتبع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیں اس خارجی دنیا میں لے جاتے ہیں جس کا تعلق سائنس سے ہے۔ اسی طرح ہم جب اپنی ذات کے دوسرے عناصر کا اتباع

کرتے ہیں۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ زمان و مکان کی دنیا سے کہیں الگ لے جاتے ہیں۔ (بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۳۴۳ از: غلام احمد پرویز)

(۱۰۳) پروفیسر کوبن

اب صرف اتنا پوچھنا باقی رہ گیا ہے کہ عقل کے علاوہ کوئی ایسی بنیاد بھی ہے جس پر ہم قانون حکومت کی دوبارہ تشکیل کر سکیں؟ اگر دنیا میں کوئی عالمگیر مذہب ہوتا تو اس کے آسمانی قوانین پر جدید نظام حکومت کی بنیاد رکھی جا سکتی تھی لیکن ایک ایسی دنیا میں جہاں مختلف مذاہب موجود ہوں یہ کوشش کرنا کہ ان میں سے کسی ایک کے ضابطہ کے مطابق قانون فطرت کو قائم کر دیا جائے۔ نہ یہ کہ نظری طور پر اس کا جواز مشکل ہوگا بلکہ عملی طور پر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم پھر سے لڑائیوں کے دور کو واپس بلا لیں گے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۰۷ از: غلام احمد پرویز)

(۱۰۴) الیکسکارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

اگرچہ ہم تمام ادوار کے سائنس دانوں، فلسفیوں، شاعروں اور عظیم المرتبت مشاہدات کے عطا کردہ خزانوں کے مالک ہیں مگر ہم ابھی تک انسانی زندگی کے صرف چند گوشوں کو بے نقاب کر سکتے ہیں۔ ہم انسان کو باعتبار کل کے نہیں سمجھ سکے بلکہ ہم اسے چند باہم دگر ممتاز اجزاء کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔ ہماری اپنے متعلق معلومات بہت ہی کم ہیں۔

(بحوالہ: مغرب افکار کا تنقیدی مطالعہ ص ۲۳، از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۰۵) الیکسس کارلائل

یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہمارا فکر ہماری زندگی کی وسعتوں کا پوری طرح احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کے پاس (یعنی سائنس) جو پیمانے ہیں ان سے سرف انہی چیزوں کو ناپا جا سکتا ہے۔ جو وزن یا حجم رکھتی ہیں یا زمان و مکان کی حدود میں مقید ہیں۔ سائنس کا دیا ہوا معیار و میزان، عزت، محبت، نفرت ایسے احساسات کو جانچنے کے ناقابل ہے۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالبہ ص ۶۳ از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۰۶) پروفیسر آرنلڈ جے ٹائن بی

(تاریخ دان و مفکر یورپ)

یہ بات اکثر دیکھنے میں آتی ہے کہ زندگی کے کسی ایک شعبہ کو دوسرے کے مقابلہ میں ناجائز اہمیت دی جاتی ہے۔ حالانکہ ہمارا فرض یہ بنتا ہے کہ حیات انسانی کے مختلف پہلوؤں مثلاً حیاتیاتی، عضویاتی، نفسیاتی، علمی، اخلاقی سب کا ایک ساتھ جائزہ لیں۔ آج ہر ماہر فن آنکھوں پر تعصبات کی پٹی باندھے زندگی کو دیکھتا ہے اور اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ تنہا وہی پوری زندگی کو سمجھ سکتا ہے۔ بدقسمتی سے اجزاء کے متعلق یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ وہی درحقیقت کل ہیں اور ان اجزاء کا انتخاب بھی کسی گہرے سوچ بچار سے نہیں کیا جاتا بلکہ جو کچھ بھی ہمارے جی میں آتا ہے ہم منتخب کر لیتے ہیں۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالعہ ص ۱۲۳ از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۰۷) پروفیسر آرنلڈ جے ٹائن بی

تاریخ دان و مفکر یورپ

وہ علماء اجتماعیات و معاشرت اور معالجین نفسیات سے سوال کرتا ہے کہ تم ہمیں کب تک ایک صالح معاشرہ بہم پہنچا سکو گے؟ کیا ہمیں تباہی سے بچانے کے لئے اس کا انتظام ہر وقت تک ایک صالح معاشرہ بہم پہنچا سکو گے؟ کیا ہمیں تباہی سے بچانے کے لئے اس کا انتظام بروقت ہو جائے گا۔ جس نوعیت و صورت و حالت میں آج انسانیت گرفتار ہے اس کے پیش نظر آخر تاریخ کا انجام کیا ہو گا۔ کیا انسانیت پہلے بھی کبھی ایسی مصیبت میں پھنسی ہے جس میں آج مبتلا ہیں ہاں بارہا جدید علم حرفت (سائنس و ٹیکنالوجی) کی وجہ سے اگر ہم کسی غلط فہمی میں نہ پڑیں تو واقعہ یہی ہے۔ انسان نے پچھلی صدیوں میں اسی طرح تاش کے پتے اپنے ہاتھ میں لے کر جوا بازی کی ہے جو ہم سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ مگر گذشتہ زمانوں میں داؤں اس قدر بھاری نہ تھے۔

فنی کمالات بجائے خود حکمت بقا کے ضامن نہیں ہو سکتے اگرچہ موجودہ انسان ان پر بڑا ناز کرتا ہے۔ ہم اپنی صنعتی ترقی سے اس قدر جادو میں گرفتار ہیں کہ شاید ہم ان وسیع تر تخلیقی اقدامات یعنی (سائنسی ایجادات) کو عمل میں لانے سے قاصر رہ جائیں یعنی ہمارے اندر ان کے استعمال کی قوت ہی ختم ہو جائے۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالبہ ص ۱۳۰، از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۰۸) لن یوٹانگ......چینی مفکر

مغرب نے زندگی کا جو تصور ہمیں دیا ہے وہ تقریباً ۹۵ پچانوے فیصدی مادی دنیاوی ہے۔ مادیت ہمارے افکار پر پوری طرح غالب ہے اور یہی ہمارے

امن کی تدابیر میں سب سے بڑا رخنہ وسبب ہے۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالعہ ص ۳۳ از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۰۹) لن پوٹانگ

کیا یہ درست نہیں کہ ہماری امن کی ساری تدابیر صرف ایک بنیاد پر قائم ہیں کہ اقتصادی ترقی یعنی مادی و معاشی ترقی نے جو برائیاں پیدا کی ہیں ان کا ازالہ افزائش دولت سے ہی ہوسکتا ہے۔ فلسفہ دولت سے ہی ہوسکتا ہے۔ ہمارے نزدیک فلسفہ امن کی عملی تعبیر بھی اشیاء کا تبادلہ اور مادی خوش حالی ہے۔ اس حقیقت سے کیسے انکار ہوسکتا ہے کہ نفع اندوزی کا جذبہ ہی جنگ وجدال کا اصلی سبب ہے۔

جب انسان مادہ پرستی کے علاوہ کوئی اور چیز سوچ نہیں سکتا تو انسانی عقل خود بخود اس کی مادی خواہشات کی تابع ہوتی ہے۔ پھر اسی سے بغاوت اور اخلاقی بے حسی جنم لیتی ہے۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالعہ ص ۳۳ از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۱۰) پروفیسر سی-ای-ایم-جوڈ...... مفکر یورپ

انسان کی اخلاقی قوت کے مقابلے میں سائنس کی قوت کہیں زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ اولاد آدم علیہ السلام کا فطرت پر قبضہ اس کے لئے ہلاکت انگیز ثابت ہورہا ہے۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالعہ، ص ۳۸، از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۱۱) پروفیسر جوڈ

ہمیں علم طب نے اس بات کی توفیق دی ہے کہ ہم انسانی زندگی کی

معیاد بڑھائیں مگر اس کے ساتھ ہی علم کیمیا نے ایسے آلات بھی ایجاد کیے ہیں جن سے انسانی زندگی کا جلد از جلد خاتمہ ہو سکتا ہے۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالعہ ص ۳۸ از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۱۲) پروفیسر جوڈ

انسانی عقل اور قوت کے درمیان تفاوت و فرق کی ایک اور نشانی ہوائی جہاز ہے۔ اسے فضائے آسمانی میں اڑتے دیکھ کر تمہیں خیال ہو گا کہ اس کے موجد اپنے علم و مہارت کاریگری کے لحاظ سے مافوق البشر اور اعلیٰ انسان ہوں گے اور اس پر سب سے پہلے پرواز کرنے والے بڑے جرأت مند اور پر ہمت ہوں گے لیکن ذرا اب ان مقاصد کا جائزہ لیجیے جن کے تحت یہ ہوائی جہاز بنائے گئے ہیں اور استعمال ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ مقاصد کیا ہیں فضائے آسمانی سے بمباری، انسانوں کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا زندوں کا گلا گھونٹنا، انسانی جسموں کو جلا دینا، زہریلی گیسوں کا پھینکنا اور ان کمزوروں کو ریزہ ریزہ کرنا جن کے پاس اس آفت سے بچنے کا کوئی سامان نہیں۔ یہ مقاصد یا تو احمقوں بے وقوفوں کے ہو سکتے ہیں یا شیطانوں کے۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالعہ ص ۳۸-۳۹، از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۱۳) پروفیسر سی-ای-ایم جوڈ ...... مفکرِ یورپ

دورِ جدید کا بیمار انسان جس امرت رس (ایک دوائی کا نام) کو حاصل کرنے کے لئے آوارہ اور پریشان ہے وہ ایک ایسا مذہب نہ سائنس اور ٹیکنالوجی ہے جو ایک طرف تو اسے اخلاق کی قدریں سمجھائے اور اس کے ساتھ ہی اسے ان سے عملی زندگی میں فائدہ اُٹھانا بھی سکھائے۔ انسانیت کی کامیابی کا ایک راستہ

ہے۔ (بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالعہ، ص، ۴۰، از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۱۴) برٹرینڈ رسل...... برطانوی مفکر و تاریخ دان

ہم اپنے آپ کو ایسی جنگ کی طرف ضروری طور پر بڑھتے ہوئے پاتے ہیں۔ جس کے متعلق ہم سے ہر شخص جانتا ہے کہ یہ ہمیں تباہ و برباد کردے گی لیکن ہماری حالت اس خرگوش کی طرح جسے سانپ نے جادو کر رکھا ہو وہ خطرے کو جانتا تو ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ اس سے کس طرح بچا جائے۔ ہم ایک دوسرے کو سالماتی اور ہائیڈروجن بموں کی خوفناک کہانیاں سناتے ہیں۔ ہم جگہ جگہ اجڑے ہوئے شہروں روسی حملوں، قحط اور ظلم وتعدی کے تذکرے کرتے ہیں۔ ہماری عقل ان ہلاکت خیزیوں کے نام سے بھی کانپ اٹھتی ہے لیکن اسی عقل کا ایک شعبہ ایسا بھی ہے جو ان میں لذت محسوس کرتا ہے اس لئے ہم میں وہ مضبوط قوت ارادی پیدا نہیں ہونے پاتی جس سے کام لے کر ہم اس بدنصیبی سے نجات حاصل کرلیں۔ ہماری روح دو حصوں میں تقسیم ہے ایک حصہ عقل والا ہے اور دوسرا بے عقل جب حالات معمول پر ہوں تو، بے عقل حصہ دن بھر سوتا ہے اور صرف رات کو بیدار ہوتا ہے لیکن اس وقت جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں یہ بے عقل حصہ دن کے وقت بھی حملہ آور ہوتا رہتا ہے اور ہماری فکری طاقتوں کو کمزور کردیتا ہے۔ ہماری زندگی مفروضات کی نہایت ہی نازک سرحدوں پر کھڑی ہے۔ اکثریت کے لئے یہ طرز وطریقہ زندگی حد سے زیادہ تکلیف بخش اور نقصان دہ ہے۔ ایک نوجوان جو تعلیم سے کیا گیا ہے۔ اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دیتا ہے وہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں زندگی کا جلد ہی کسی میدان جنگ میں خاتمہ ہو جائے گا۔ وہ خانون جو اپنی تعمیری طاقتوں کو ظاہر کرکے بہتر کام کرسکتی ہے یہ سوچتی ہے کہ کیوں نہ عیش کی

جائے اس سے پہلے کہ روسی سپاہ اس پر مجرمانہ حملہ کر کے اس کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ والدین اس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ کیا وہ ساری قربانیاں جو وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لئے کر رہے ہیں۔ وہ ضائع تو نہیں جائیں گے۔ وہ لوگ جن کے پاس دولت ہے وہ اسے عیش و عشرت پر لگا رہے ہیں کیونکہ وہ اپنے سامنے اپنا انجام بد دیکھ رہے ہیں۔ دور جدید کی قومیں مصیبت میں گرفتار ہیں۔ وہ تباہی کے گہرے غاروں کی طرف بڑی جلدی سے بڑھ رہی ہیں اور گمان یہ کرتی ہیں کہ وہ اس کو دور چھوڑ رہی ہیں۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالعہ ص ۴۲ از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۱۵) الفرڈ کابن......شعبہ تاریخ لندن یونیورسٹی

موجودہ دور کا انسان زیادہ پتھر دل اور بے حس ہو گیا ہے۔ اس لئے وہ ایک دوسرے مقابلہ اور جنگ بالکل وحشیوں کی طرح لڑ رہا ہے۔ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا باپ بیٹے سے جنگ میں ہے اس تصادم و جنگ میں نہ کوئی اصول اور نہ اخلاق سامنے ہے۔ محض وحشیانہ قوت انسان کی راہنما بن کر اسے ایک دوسرے کے خلاف لڑوا رہی ہے۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالعہ ص ۴۵ از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۱۶) الفرڈ کابن

اخلاقی گرفت کے ہٹ جانے سے جنگ اپنی ذات میں ایک مقصد بن چکی ہے اور جارحیت و جبر و ظلم زندگی کا نصب العین و مقصد حیات بن گیا ہے۔ عہد حاضر کی زہریلی فضا میں بین الاقوامی قانون ایک ایسا بیمار بچہ ہے جس نے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دی ہے اور محفل اقوام کو ایک گلدستہ کی حیثیت سے اس کے

قبر پر چڑھایا گیا ہے۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالعہ ص ۴۶ از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۱۷) پروفیسر آرنلڈ جے ٹائن بی...... تاریخ دان و مفکر یورپ

"پوری تاریخ سے مجھے ایک ہی سبق ملا ہے"۔ یہاں (دنیا) کوئی چیز دنیاوی کامیابی سے بڑھ کر ناکام نہیں آج مشین پر قدرت نے ہمیں سخت خطرے میں ڈال دیا ہے۔ اپنے مسائل کو محض مادی تدبیروں سے حل کرنے کی ہماری موجودہ کوشش ضروری طور پر بالکل ناکام ہو چکی ہیں اور ہمارے تمام بلند و بانگ منصوبے محض مذاق بن کر رہ گئے ہیں۔ اپنی معاشرتی بیماریوں کو خدا کے بغیر حل کرنے کے نتیجے ہمارے سامنے آچکے ہیں ہم نے مشین کو آزاد کر کے دیکھ لیا ہے اور یہ بات اب ظاہر ہے کہ اخلاقی اقدامات جتنے آج ضروری ہیں گذشتہ زمانوں میں بھی تھے بلکہ کہ اس سے زیادہ فیصلہ کن حد تک ضروری ہیں۔

(بحوالہ: مغربی افکار کا تنقیدی مطالعہ ص ۷۸،۷۹ از: عبدالحمید صدیقی)

(۱۱۸) الیکسس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

ہم جہاں اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ زندگی سے بے خبر و ناواقف ہیں۔ وہاں ہم اپنی مشکل و پیچیدہ طبیعت اور اپنی ترکیب عقلی سے بھی ناواقف ہیں۔

(بحوالہ: اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل ص ۱۴ اسید قطب)

(۱۱۹) فرانسیسی مفکر

عالم گیریت کے ذریعے سرمایہ دارانہ نظام میں جتنی تیزی کے ساتھ

پھیلاؤ ہو گا، اتنی ہی جلدی کے ساتھ قبیلے، قوم دین کے نام پر جنگوں میں اضافہ ہو گا، جوں جوں مواصلات کے میدان میں ترقی ہوتی رہے گی۔ لوگ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے جاتے رہیں گے، اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا۔ خاندان، قبیلے اور وطن کی پشت پناہی نہ ہونے کی وجہ سے، خوف و دہشت میں اضافہ ہو گا۔ معیار زندگی (بوجہ سائنسی ایجادات) میں جس رفتار سے بلندی آتی جائے گی، اسی رفتار سے ظلم و بربریت اور جرائم بھی بڑھتے رہیں گے۔

(بحوالہ: گلوبلائزیشن اور اسلام، ص ۳۲۰، از: یاسر ندیم)

(۱۲۰) الیکسس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

علوم جمادات اور علوم حیات میں بڑا عجیب فرق ہے چنانچہ فلکیات، میکانک اور طبیعیات سے متعلق بالکل ٹھیک، ٹھیک اور نہایت درستگی کے ساتھ خالص حسابی زبان میں بیان کی جا سکتی ہیں۔ ان علوم کی وجہ سے ایک ایسی متناسب دنیا بن گئی ہے۔ ان علوم نے دنیا کے گرد اعداد و شمار اور نظریات کا ایک جال سا بُن دیا ہے۔ جبکہ علوم حیات میں صورت حال بالکل مختلف ہے۔ یہاں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے زندگی کا مطالعہ کرنے والے درختوں کے جھنڈ یا کسی ایسے جادوئی جنگل میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ جہاں درختوں کی ہر علامت اور نشانی کو مٹا دیتی ہے۔ ماہرین حیاتیات حقائق کے بوجھ تلے دبے ہوتے ہیں۔ وہ انہیں بیان تو کر سکتے ہیں لیکن دو اور چار کی طرح ثابت نہیں کر سکتے۔ یہ علوم اگرچہ یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتے کہ انہوں نے طبیعت اشیاء سے بالکل پردے اُٹھا دیتے ہیں۔ درحقیقت مادہ کی ترکیب کے راز اور اس کے خواص معلوم کر کے ہم روئے زمین

پر موجود ہر شئے کے مالک بن گئے ہیں۔

(بحوالہ: اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل، ص ۸، از: سید قطب)

(۱۲۱) الیکس کارلائل

مشہور امریکی سائنسدان

زندہ کائنات کے بارے میں بالعموم اور انسان کے بارے میں بالخصوص یہ ترقی حاصل نہ ہو سکی۔ بلکہ انسان اب بھی وصفی مرحلہ میں ہے کیونکہ انسانی ایک ایسی کلی ہے جس کے اجزاء نہیں ہو سکتے۔ اور کلی بھی ایسی پیچیدہ و مشکل کہ کسی عرض بسیط تک رسائی آسان نہیں ہے۔ ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ انسانی مجموعی حیثیت میں یا اس کے اجزاء ایک ہی وقت میں سمجھ میں آسکیں جیسا کہ انسان کے بیرونی تعلقات بھی ناقابل فہم ہیں۔ ہمیں اپنی تحلیل نفسی کے لئے مختلف فنون اور متعدد علوم کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ حالانکہ یہ علوم ایک مشترک مقصد میں بھی مختلف آراء پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ ان علوم کے پاس جس قدر وسائل ہیں۔ وہ اسی کے بقدر اس سے چند امور اخذ کر لیتے ہیں۔ اگر ان امور کا آپس میں موازنہ کیا جائے تو ان میں سے کم ہی حقیقت بننے کے قابل ہوں گے اور انسانی وجود کے بارے میں اس قدر حصہ نامعلوم رہ جائے گا کہ اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا علم التشریح کیمیا، فزیالوجی، نفسیات، فن تعلیم، تاریخ، اجتماعیات اور سیاسیات معاشیات یہ تمام علوم اپنے موضوع کے تمام پہلوؤں کو بیان نہیں کرتے انسان کے بارے میں ہماری تمام آراء کا سرچشمہ عقلی فلسفہ ہے اور ان تمام آراء کی بنیاد سطحی معلومات ہیں پھر ان آراء میں سے جو ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ وہ اپنے اپنے فراخ کے مطابق منتخب کر لیتے ہیں۔ چنانچہ انسان کے بارے میں ہمارا تصور ہمارے

احساسات اور عقائد کے مطابق ہوتا ہے۔

ایک مادیت پرست اور ایک روحانیت پرست انسانی کلورائیڈ کی تفریق پر تو اتفاق کر سکتے ہیں مگر انسان کے بارے میں متفق نہیں ہو سکتے۔

نوع انسانی نے اپنا تعارف حاصل کرنے کے لئے کافی کوشش کی ہیں مگر باوجودیکہ ہمارے پاس ایک وسیع ذخیرہ ان آراء و افکار کا موجود ہے جو ہر دور میں علماء فلاسفہ شعرا اور روحانی لوگ پیش کرتے رہے ہیں۔ پھر بھی ہم اپنے نفس کے چند پہلوؤں سے واقف ہیں۔ ہم انسان کو ایک کل کی بجائے اس کے مختلف اجزاء کو جانتے ہیں اور اجزاء بھی ہمارے وسائل کے تراشے ہوئے ہیں۔ گویا ہم چند سایوں کے در پے لپک رہے ہیں۔ جن کے دامن میں ایک نامعلوم حقیقت چھپی ہوتی ہے۔ فی الحقیقت ہم بڑی خطرناک اور مشکل حالت میں مبتلا ہیں۔ نوع انسان کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے جو عام سے سوالات آتے ہیں۔ ان کا بھی کوئی جواب نہیں مل پاتا۔ کیونکہ ہماری باطنی دنیا کے لامحدود پہلو ابھی تک نامعلوم ہیں۔ ہم ابھی تک اس قسم کے بہت سے سوالوں کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔

ہمیں اب تک یہ علم نہیں ہے کہ جسم انسانی، عضلات اور اعضاء میں اور عقلی و روحانی اعمال میں تعلق کی ماہیت کیا ہے۔ ہمیں یہ بھی علم نہیں ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جو اعصابی توازن تکان کے مقابلہ کی قوت اور امراض کے خلاف قوت دفاع پیدا کرتے ہیں۔

(بحوالہ: اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل ص ۱۱، ۱۲، ۱۳ از سید قطب)

ہمیں نہیں معلوم کہ ادبی ذوق، قوت فیصلہ اور جرأت میں کیونکہ اضافہ ہو سکتا ہے عقلی ادبی اور مذہبی اعمال میں نسبتی اہمیت کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فریالوجی اور عقلی عوامل ہی ہیں جو خوش بختی اور بدبختی اور کامیابی اور ناکامی کے اسباب بنتے ہیں۔ مگر ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ عوامل کیا ہیں؟ ہم کسی شخص کو مصنوعی طریقہ پر قبولیت سعادت کی صلاحیت فراہم نہیں کر سکتے۔ ہمیں اب تک یہ علم نہیں کہ کس قسم کے ماحول میں ایسا متمدن اور ترقی پذیر انسان پیدا کرنے کی صلاحیت ہے؟ کیا ہم تہذیب جدید میں انسان کے تنزل اور انحطاط کو روک سکتے ہیں؟

کتنے ہی سوالات جو نہایت اہمیت کے حامل موضوعات میں اُٹھائے جاتے ہیں اور جن کا کوئی جواب ابھی تک نہیں دیا جا سکا۔ غرض یہ بات واضح ہے کہ انسان سے متعلق سائنسدانوں کی سب تحقیقات قطعاً ناکافی ہیں اور انسان کے بارے میں ہماری معلومات اب تک ابتدائی ہیں۔

(بحوالہ: اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل ص ۱۳، ۱۴، از: سید قطب)

(۱۲۲) الفریڈ کوبن......سائنسدان

اس مسئلہ کا خیال تک بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ہم قطعی حقیقت کا علم حاصل کر چکے ہیں حتیٰ کہ سائنس کے محدود دائرہ میں بھی نہیں جب تک اس تمام محسوس دنیا علم حاصل نہ ہو جائے۔

(بحوالہ: تفسیر معارف القرآن ص ۲۰ از: غلام احمد پرویز)

اہل اقوال و بیانات کے نام اور ان کے مشاغل

نمبر شمار	نام	مشاغل
۱	الیکسس کارلائل	ممتاز امریکی سائنسدان
۲	پروفیسر ساروکن	تاریخ دان
۳	ول ویورانٹ	ممتاز فلسفی
۴	ہارورڈ جون	فلسفی
۵	ماڈرن جنگ	
۶	لنڈ برگ	محقق
۷	فارنم ایم ڈی	سائنسدان
۸	برٹرینڈ رسل	تاریخ دان یورپ و تاریخ نویس
۹	گستاؤلی بان	سائنسدان
۱۰	کانسٹانٹان جارج	
۱۱	عائشہ نومسلم	انگلستان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ
۱۲	پروفیسر رجاء گارودی نومسلم	
۱۳	مریم جمیلہ نومسلم از خاندان یہود	
۱۴	اریکا جونگ	امریکی اخبار واشنگٹن کی ناول نگار
۱۵	پروفیسر آرنلڈ جے ٹائن بی	تاریخ دان

۱۶	چارج اٹیل سکارٹ	محقق سائنسدان
۱۷	جرائم الاطفال کا جج	امریکہ کا جج
۱۸	لائڈ چارج	جنگ کا عظیم فاتح
۱۹	پول بیورو	فلفسی
۲۰	کلڈن جینٹروف	روسی سائنسدان
۲۱	پائپر لیپس	سائنسدان ماہر علم حیاتیات
۲۲	جین روستاند	سائنسدان ماہر علم حیاتیات
۲۳	ٹلہارڈ ڈی شاردن	فرانسیسی ماہر قدیم حیات
۲۴	کارل جیسپرز	سائنسدان ماہر علم نفسیات
۲۵	لوئس ڈی پروگلی ادب کا اعلیٰ ترین انعام یافتہ	ماہر سائنسدان کمسٹری، فزکس
۲۶	گائیٹ	سوئٹزرلینڈ کا سائنسدان
۲۷	اندرے لی وف	فرانسیسی سائنسدان ماہر علم حیاتیات
۲۸	آئیوان پالوف	روسی سائنسدان ماہر نفسیات
۲۹	اقوام متحدہ کا سیکریٹری جنرل	
۳۰	آرتھر ملہ	امریکہ کا ممتاز جج
۳۱	امریکی ماہر نفسیات	
۳۲	عالمی ادارہ صحت کی رپورٹ	۱۹۷۰ء
۳۳	ایتھونی لائل	عوامی صحت کا انچارج

۳۴	کوایاتا	جاپانی شاعر و ناول نگار
۳۵	آندرے مالراکس	جاپانی شاعر
۳۶	پال ویری	
۳۷	رینی گیونن	مشہور فرانسیسی مفکر
۳۸	پروفیسر میس.	
۳۹	ماڈگل پروفیسر	سائنسدان
۴۰	ڈاکٹر ولیم براؤن	آکسفورڈ یونیورسٹی برطانیہ.
۴۱	ڈالبائز	استاد فلسفہ سائنسدان علم تحلیل نفسی کا ماہر
۴۲	افلاطون	قدیم فلسفی
۴۳	سر جیمس جینز	دنیائے سائنس کا ممتاز اور بڑا سائنسدان
۴۴	ڈاکٹر جیمس آرنلڈ کروتھر	سائنسدان علم طبعیات کا ماہر
۴۵	ڈاکٹر ایٹکن	کیلی فورنیا امریکہ کی رصد گاہ کا ڈائریکٹر علم الفلکیات کا ماہر
۴۶	سر فرانسس ینگ ہسبنڈا	
۴۷	پروفیسر الفریڈ کین	تاریخ دان
۴۸	ڈبلیو زین سل بین	سائنسدان
۴۹	ارسطو.	فلسفی یونانی
۵۰	ڈاکٹر جوڈ	سائنسدان

۵۱	لپسکال	مغربی فلاسفر
۵۲	پروفیسر سموئیل	ماہر سیاسیات
۵۳	سر چارلس شرنگ	تاریخ دان
۵۴	مسٹر سلیوان	سائنسدان
۵۵	پروفیسر ایڈنگٹن	سائنسدان ماہر نفصیات
۵۶	لارڈ بالفور	سائنسدان ماہر نفسیات
۵۷	پروفیسر بریفلٹ	تاریخ دان
۵۸	پروفیسر کیرڈ	پرنسپل ووائس چانسلر ریڈنگ یونیورسٹی
۵۹	پروفیسر محمد ہارون	نو مسلم پروفیسر و استاد آکسفورڈ یونیورسٹی
۶۰	پروفیسر جون کیرڈ	پروفیسر و پرنسپل گلاسکو یونیورسٹی
۶۱	نیٹشے	جرمن فلفی
۶۲	لن یوتانگ	چینی مفکر

پاکستان ٹیلی ویژن

پاکستان میں ٹی وی کا آغاز کن مقاصد کے لئے کیا گیا:

ہم یہاں اس خصوصی نشست کا ذکر کرنا چاہیں گے جس کو کراچی پی ٹی وی کے مینجر اول ذوالفقار علی (خبیث) نے ٹی وی کے یوم تاسیس سے چند ماہ پیشتر ٹی وی کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالنے کے لئے بلائی تھی جس میں مخصوص فنکاروں، لکھنے والوں اور متوقع پروڈیوسر صاحبان کو مدعو کیا تھا جس سے "مسٹر خبیث"، "خصوصی کام" لینا چاہتے تھے۔ اس نشست میں جناب محترم شمیم صاحب (مرحوم) جو شعبہ اردو، جامعہ کراچی کے پروفیسر رہ چکے ہیں، بھی موجود تھے جنہوں نے بعد ازاں اس تین گھنٹے پر محیط نشست کی روداد 1970ء اور بعد میں 5،3 جنوری 1979ء میں ایک مقامی اخبار "جسارت" میں شائع کی تھی۔ اس خصوصی نشست میں "مسٹر خبیث" نے ٹی وی کے دو بنیادی مقاصد بکواس کئے تھے، اول تو اس زمانہ کی جنرل ایوب صاحب کی حکومت کے کارناموں کی گھر گھر تشہیر کرنا تھا اور دوئم بقول ان کے کہ:

"دلعنتی کا دوسرا اور سب سے اہم مقصد یہ ہوگا کہ قوم اور پہلے متوسط طبقہ کو فرسودہ مذہبی تصورات سے آزاد کرائیں اور اس مقصد کو اس خوبی سے سرانجام دیں کہ لوگوں کو شعوری طور پر اس کا پتہ نہ چلے کہ آپ جدید نسلوں کو مذہبی اثرات سے پاک کرنے کی کوئی مہم چلا رہے ہیں۔ اگر آپ نے یہ کام کر لیا تو یاد رکھئے کہ ہم ہمیشہ مذہبی جنونیوں اور ملاؤں سے اپنی معاشرت اور سیاست کو پاک کر دیں گے"۔

بنیادی مقاصد بتانے کے بعد ''مسٹر لعنتی'' نے شرکائے محفل کو علیحدہ علیحدہ ہدایات دیتے ہوئے ''بکواس'' کیا کہ:

''میں آج سے ہر اس لکھنے والے کو اپنے پروگرام کے معاوضے کے علاوہ دو سو روپیہ ماہوار دوں گا جو عربی پڑھے گا، ہم یہ چاہتے ہیں کہ ٹی وی اور ریڈیو سے ایسے افراد کو بحیثیت عالم دین اور جدید مفکر کی حیثیت میں پیش کر سکیں اور ان تمام ملاؤں کے اثرات دور کر سکیں جو مذہب کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں اور جنہیں ہم طوعاً و کرہاً پیش کرنے پر مجبور ہیں، آپ کو مذہب کی خرافات سے معاشرہ کو نجات دلانے کا کام کرنا ہے اور اسی لئے ہم اس ادارے کے ذریعے بالکل جدید ذہنوں کو آگے لانا چاہتے ہیں، نئے میڈیا کے ساتھ نئے ذہنوں کو نہ صرف فرسودہ اور مردہ تصورات سے نجات دلانے کے لئے استعمال کیا جائے گا بلکہ ان کو پوری قوم کے محسوسات اور طرز فکر کو بدلنا ہوگا''۔

آپ اس مقصد کو اس طرح پورا کر سکتے ہیں کہ منافقت اور متضاد کردار کے لئے منفی ڈرامہ کرداروں کے داڑھی لگائیے، مضحکہ خیز کرداروں اور افراد کو مشرقی لباس پہنائیے، یہ یاد رکھئے کہ آپ کو اپنے تمام کرداروں اور اناؤنسروں کو وہ لباس پہنانا ہے جو ہمارے ترقی یافتہ معاشرے میں سو سال بعد رائج ہونا چاہیے اور جواب ایک فی صد اوپر کے طبقے میں رائج ہے''۔ یعنی امریکی اور برطانوی لباس پنٹ، شرٹ، وغیرہ یہ ہیں ٹی وی کے اغراض و مقاصد۔

(۱) علماء کی توہین۔

(۲) شعائر و علامات اسلامی کی توہین۔

(۳) احکام اسلام کی توہین وانکار۔

(۴) جدید ذہن میں اسلام کو ذلیل ثابت کرنا۔

(۵) فحاشی و بے حیائی پھیلانا۔

(۶) ٹی وی سننے والوں کی فکر ونظر کو بدلنا۔

(۷) اسلام اور علماء اسلام کی عزت و مقام کو قوم کی نگاہ میں ختم کرنا۔

(۸) یورپی وامریکی تہذیب وتمدن کو پھیلانا اور مقبول کرنا۔

(کتاب: رواداری اور پاکستان، ص ۳۸۴-۳۸۵ از: صدیق شاہ بخاری)

آگے مسٹر لعنتی اپنے کارکنوں کو بریفنگ دیتے ہوئے بک رہا ہے آپ کو مذہب کی خرافات سے نجات دلانے کا کام کرنا ہے اور اسی لئے ہم اس ادارے کے ذریعے بالکل جدید ذہنوں کو آگے لانا چاہتے ہیں نئے میڈیا کے ساتھ نئے ذہنوں کو نہ صرف فرسودہ اور مردہ تصورات سے نجات دلانے کے لئے استعمال کیا جائے گا بلکہ ان کی پوری قوم کے محسوسات اور طرز فکر کو بدلنا ہوگا مثلاً ہم ہر سال بقرعید پر لاکھوں جانور سنت ابراہیمی کے نام پر ضائع کردیتے ہیں ایک تو نہایت درجہ بے رحمی اور شقاوت کی بات ہے دوسری جو گندگی اور غلاظت پورے ملک میں تین دن تک طاری رہتی ہے وہ قومی معیشت کی بربادی سے بھی زیادہ افسوس ناک ہے آپ لوگ اس قسم کے تہواروں کے بارہ میں یہ احساس نہیں ہونے دیں گے کہ ٹی وی ان کے خلاف ہے لیکن نئے ذہنوں میں اس کے خراب اثرات کو اس طرح جاگزیں کردیں گے کہ کم از کم بڑے ہوکر اس سے محفوظ رہیں۔

(کتاب: نفسانی خواہشات اور ان کے نقصانات، ص ۴۳۵، از: حافظ مومن)

میرٹ سٹینلے کان ڈان فلسفی وسائنسدان

سائنس ایک ایسا علم ہے جس میں بشری خامیوں اور کوتاہیوں کا امکان ہے جس کی ابتدا اور انتہا قیاسات پر ہے جہاں عزم ویقین کا کوئی گذر نہیں۔

(خدا مذہب اور جدید سائنس ص 23)

جارج کنگ۔ ناول نویس عہد وکٹوریہ

میں سائنس سے نفرت کرتا ہوں کیونکہ میرا یقین ہے کہ اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو بڑے عرصے تک یہ انسان کی بے رحم دشمن رہے گی میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ تہذیب کی تہہ میں ظلم و وحشت کو بحال کر رہی ہے اور اس کا دل پتھر کا بنا رہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ان بے شمار جھگڑوں کا دور شروع کر رہی ہے جس کے سامنے زمانہ قدیم کی ہزار جنگیں ماند پڑ جائیں گی۔ اور جو غالباً انسان کے تمام گاڑھے پسینہ کی کارگزاریوں کو بے نظمی کے سمادر میں غرق کر دے گی۔

(خدا مذہب وسائنس ص 23)

جارج لنڈبرگ۔ صدر شعبۂ عمرانیات واشنگٹن یونیورسٹی

کیمیائی لیبارٹری سے توقع تھی کہ وہ کوئی ایسا پلاسٹک دوا یا اکسیر تیار کرے گی جس سے نسلی اور ثقافتی امتیازات مٹ جائیں گے اور عدم رواداری، حسد، حرص رواداری

اور اخوت میں بدل جائے گی۔

ظاہر ہے کہ ان کی ایسی امیدوں کے لئے مایوسی مقدر ہے جن نتائج کے وہ آرزومند نہیں ان کی تلاش لیبارٹریوں میں بے سود ہے۔ ہمیں طبعیات سے معاشرتی مسائل حل کرنے کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ ہم پنسلین سے توقع نہیں رکھ سکتے ہیں کہ وہ آجر واجیر (مالک ومزدور) کے جھگڑوں کا تصفیہ کردے۔

نہ ہم برقی لیمپوں سے توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ تاریک ذہنوں اور جذبات کو منور کرسکیں گے۔

ہم جوہری انشقاق سے توقع نہیں کر سکتے کہ وہ ہم پر معاشرتی جوہر کی نوعیت اور اس پر ضبط کا طریقہ ظاہر کرے۔

(خدا مذہب وسائنس ص 22)

اِرونگ ولیم ناسلاخ۔ ماہر علوم طبعی سائنس دان

سائنس ایک ایسا ہمہ گیر علم نہیں جس سے سارے مسائل حل کیے جا سکیں۔ سائنس صداقت حسن اور مسرت کا پوری طرح احاطہ نہیں کرسکتی، سائنس زندگی کی بھی کوئی تسلی بخش تعبیر نہیں کرسکتی اور نہ ہی اس سے زندگی کا کوئی مقصد متعین ہوسکتا ہے۔

(خدا موجود ہے۔ ص 175)

جارج لنڈ برگ

حقدار کو حق دیا جائے۔ یعنی سائنس کو سائنس کے موضوعات پر رکھا جائے اور مابعد الطبعیات کو مابعد الطبعیات کے۔ کیا ہمیں سائنس بچا سکتی ہے۔

(خدا مذہب اور جدید سائنس ص 23)

پروفیسر میسن۔ مورخ و سائنسدان

ہماری موجودہ تہذیب (سائنسی و ٹیکنالوجی والی) اپنے قومی، معاشی، عائلی، اخلاقی، مذہبی اور ذہنی نظام کے ہر شعبہ میں حماقت، جہالت، فریب و ظلم کا مستقل مظاہرہ ہے۔

آئن سٹائن۔ مشہور جرمنی سائنسدان

وہ انسان جو کائنات پر اظہار تعجب کے لئے رکتا نہیں اور اس پر خوف و تقویٰ کی کیفیت طاری نہیں ہوتی آج کا انسان مر چکا ہے اور وہ بصارت سے محروم ہو چکا ہے۔

(خدا مذہب و سائنس ص 44)

فلپ فرانک۔ سائنس دان

سائنس کے نظریات سے زیادہ عوام و خواص کے ذہنوں کو سائنسی ایجادات نے خوف زدہ کر رکھا ہے۔

(خدا مذہب و جدید سائنس ص 51)

نام غیر معلوم عالم طبیعات

سائنس کے پاس حقائق عنصریہ کی توجیہ کے لئے کوئی چیز نہیں ہے اور اس کو اتفاق کہنا ریاضیات سے کشتی لڑنے کے مترادف ہے۔

(خدا مذہب اور جدید سائنس ص 71)

اے اوپیرن۔ اشتراکی ماہر حیاتیات

اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ زندگی وغیرہ کا آغاز سیاروں پر ہوا تب بھی ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ ان سیاروں پر زندگی کیسے وجود میں آئی اور اس مخصوص ماحول میں کیسے اس نے نشوونما پائی۔

(خدا کہاں ہے ص 92)

مسٹر آرتھر کیتھ۔ معروف عظیم سائنسدان

انسانی ذہن ان عظیم سوالات کو حل کرنے سے قاصر ہے اور ایک حقیر سا آلہ ہے ہمیں اس کی مجبوریوں کا اعتراف کر لینا چاہیے۔

(I believe صفحہ 153)

رچرڈ سی لیوونٹن۔ مادہ پرست سائنسدان نظریہ ارتقاء کا داعی

ہم عجائبات دنیا کی مادہ پرستانہ توجیہہ کو مسلمہ سائنسی اصولوں اور طریقہ کار کے تحت قبول کرنے پر مجبور نہیں ہوئے۔ بلکہ اس کے برعکس اپنے اس اصول کے تحت مجبور ہوئے ہیں کہ ہر تحقیق کے لئے مادی اسباب کو بنیاد بنایا جائے اور ایسے تصورات کا نظام قائم کیا جائے جو مادی توجیہات سامنے لائے خواہ وہ الہامی عقیدہ کے منافی ہی کیوں نہ ہو۔ خواہ ہمیں کتنی ہی ابلہ فریبی اور بے اصولی کا ارتکاب کرنا پڑے۔ مزید برآں مادیت ایک قطعی حقیقت ہے لہٰذا ہم مافوق البشریت کے قدموں کو اپنے دروازے کی طرف نہیں بڑھنے دیں گے۔

(خدا مذہب و سائنس ص 237)

البرٹ فنسٹن۔ پروفیسر ومورخ

ہم نے تلخ تجارب کے بعد یہ سیکھا ہے کہ معاشرتی زندگی کی گتھلیاں تنہا عقل سے نہیں سلجھ سکتیں۔ اس لیے ہمیں تنہا عقل کو خدا نہیں بنالینا چاہئے۔ اس خدا (عقل) کے عضلات تو بہت مضبوط ہیں لیکن اس کی ذات معتبر و معتمد نہیں عقل اسباب و ذرائع پر تو خوب نظر رکھتی ہے لیکن مقاصد واقدار کی طرف سے اندھی ہے۔

(مفہوم القرآن زپرویز احمد۔ ص 3)

البرٹ فلسٹن۔ پروفیسر ومورخ

سائنس صرف یہ بتا سکتی ہے کہ کیا ہے وہ یہ نہیں بتا سکتی کہ کیا ہونا چاہئے۔ اقدار واخلاق وفضائل حیات انسانی کا متعین کرنا اس کے دائرے سے باہر ہے۔ سائنس کے علمبرداروں نے اکثر اوقات اس امر کی کوشش کی ہے کہ وہ سائنس کی رو سے اقدار و اخلاق کے متعلق قطعی فیصلہ نافذ کردیں۔ سائنس کے نزدیک بس ایک شئے ہوتی۔ اس کی دنیا میں آرزو، اقدار، اخلاق، خیر وشر نصب العین حیات کا کوئی وجود نہیں۔ سائنس اقدار حیات متعین کرسکتی ہے اور نہ ہی انہیں انسانی سینے کے اندر داخل سکتی ہے۔

(مفہوم القرآن۔ پرویز احمد ص 3)

اے ڈبلیو باسلٹ۔ عظیم سائنسدان

سائنس دان کسی بحث ومسئلہ میں اس سے زیادہ عاجز و درماندہ نہیں جتنا خود انسان کے معاملہ میں وہ ایٹم کو توڑ سکتا ہے۔ بعید سے بعید ستاروں کی روشنی کی تحلیل و تجزی کرسکتا ہے وہ بجلی کو غلام بنا سکتا ہے لیکن یہی سائنسدان جب زندگی کی حقیقت اور اس سے بڑھ کر خود اپنی یا انسان کی حقیقت سمجھنا چاہتا ہے تو مشکلات ہی مشکلات سے دوچار

ہو جاتا ہے۔ نہ زندگی قابو یافتہ تجربہ کی متحمل ہو سکتی ہے نہ ہی انسان۔

(ناحل مسائل سائنس ص 195)

سر آرتھر ایڈنگٹن۔ مشہور سائنسدان

آج کل سائنس دان بار بار جو یہ دہراتے ہیں کہ موجودات یا اشیاء دراصل وہ نہیں جو ہمارے حواس سے محسوس ہوتی ہیں ہم کو مادہ کی ٹھوس جوہر ہونے کا عامیانہ خیال اپنے ذہن سے نکال دینا چاہیے۔ مادی دنیا انتہائی تحلیل کے بعد غیر مادی ثابت ہو چکی ہے۔ موجودہ سائنس میں مادہ کی جوہریت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہ کوئی نظریہ نہیں سائنس کا مسلمہ بن چکا ہے۔ معمولی عقل وفہم نے مادہ اور زمان ومکان سے کائنات کا جو نقشہ بنایا تھا وہ سارا کا سارا سائنس نے منسوخ کر دیا لیکن اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ظواہر کی تحلیل نے زیادہ عمیق حقائق کو بے نقاب کر دیا ہے۔

(مذہب وسائنس ص 65)

سر جیمس جینز۔ نامی گرامی سائنس دان

گلیلیو اور نیوٹن کی عظیم سترھویں صدی کی یہ بڑی عظیم کامیابی وفتح مان لی گئی تھی کہ کائنات میں ہر مابعد کا تغیر وتبدل یا تخلیق اپنے ماقبل کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ساری کائنات فطرت کی پوری تاریخ آخر تک لازمی نتیجہ اس مبدا یا ابتداء کا ہے۔ جس میں یہ پہلے دن تھی۔ اس تصور کا ہی لازمی وہ تحریک تھی جس نے ساری مادی کائنات کو بس ایک مشین بنا اور سمجھ لیا تھا۔ صورت حال انیسویں صدی کے آخر تک مسلم اور جاری رہی اور ساری نیچرل سائنس کا واحد مقصد اس کائنات کو مشینی ساخت (میکانکس) میں تبدیل و تحویل کر دینا بن گیا۔ پھر اسی انیسویں صدی کے آخر مہینوں میں برلن کے ماکس پلانک نے کوانٹم نظریہ کی بنیاد ڈالی جو بالآخر ترقی کے جدید طبیعات (فزکس) کا عظیم ہمہ گیر

اصول قرار دیا گیا جس نے آگے چل کر سائنس کے مشینی عہد کا خاتمہ کر کے ایک نئے دور کا آغاز کر دیا۔

(مذہب و سائنس ص 77)

آئن سٹائن۔ مشہور سائنس دان

یہ اس قانون علت و معلول ہی کو اپنی فرماں روائی کے تخت سے اتار دینے والا ہے۔ جس کو اب تک کائنات کے ایک ہمہ گیر راہنما اصول کا مقام حاصل تھا، پرانی سائنس کا یہ قطعی اعلان و دعویٰ تھا کہ فطرت سلسلہ علت و معلول کے بندھے ہوئے قوانین سے سے باہر ایک قدم نہیں نکال سکتی علت الف کے بعد لازمی طور پر ب کے معلول کو ظاہر ہونا چاہیے۔ نئی سائنس اب صرف یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ الف کے بعد ج کے یوں تو بے شمار امکانات ہیں البتہ اتنا صحیح ہے کہ ان میں الف کے بعد ب کا نمودار ہونا ج کے مقابلہ میں اور ج کا د کے مقابہ میں اغلب ہے۔

بہر حال سر دست تو قطعی علیت کی نئی طبیعات کے نقشہ کائنات میں کوئی جگہ نہیں رہ گئی۔ لہٰذا پرانے میکانکی نقشہ کے بجائے اس نئے نقشے میں زندگی و شعور اور اس کے صفات ارادہ و اختیار وغیرہ کی گنجائش زیادہ نکل آتی ہے۔

(مذہب و سائنس ص 78)

سر آرتھر۔ سائنسدان

ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ نفس یا ذہن کا جاندار مادہ کی جسمانی دنیا میں کیسے ظہور ہوتا ہے اس کے آگے ہم خود مادہ کی انتہائی ساخت و حقیقت تک کو نہیں جانتے بلکہ علم طبیعات کو تو ابھی نفس کے ان اجزاء کے خواص ہی کی نسبت بہت کچھ جاننا ہے جن سے مادہ مرکب ہے ہم یہ سمجھنا نہیں چاہتے کہ مذکورہ بالا تمام باتیں تمام ماہرین کے

مسلمات ہیں تاہم ہمارے نزدیک اتنا بالعموم مسلمہ ہے کہ دماغ نفس نہیں بلکہ آلہ نفس ہے جونفس کی موثر فاعلیت کو بروئے کار لاتا ہے۔

(مذہب وسائنس۔ ص86)

سر آرتھر۔ معروف سائنس دان

آج تک کسی قسم کا کوئی ایک ثبوت بھی اس بات کا نہیں پیش کیا جا سکا کہ نفس یا ذہن مادہ ہی کی ایک ذیلی ذہنی پیداوار ہے یعنی وہ مادہ جس کو ہم بطور ایک جسمی جوہر کے جانتے ہیں۔ نہ کسی نے کبھی بتلایا کہ وہ کیمیائی یا میکانکی تغیرات کیا ہیں۔ جن سے فکر وارادہ پیدا ہوتا ہے۔ بلاشبہ نفس وجسم میں باہمی تعلق وتعامل کا پایا جانا بالکل مسلمہ ہے اور موجودہ سائنس بھی زیادہ بس یہیں تک جا سکی ہے۔

بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ جانتے ہیں کہ نفس ودماغ کو کوئی تیسری ذات چلا رہی ہے اور اس نے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے لیکن یہ کیونکر وابستہ ہیں ہم نہیں جانتے۔

(مذہب وسائنس ص90)

برٹرینڈ رسل۔ مشہور فلسفی

وجود کو بدیہی پاتا ہے یہی حال سائنس کے آدمی کا پہلے بھی تھا البتہ کچھ فلسفی ان اجسام کو مختلف طریقوں سے عموماً ذہنی تصورات ہی میں تحلیل کر کے سرے سے (ذہن سے) باہر ان کے خارجی وجود کو نابود ہی ثابت کرتے رہے۔ لیکن ایسے فلسفیوں کو درخور اعتناء نہ جان کر سائنس اطمینان کے ساتھ مادیانہ ہی بنی رہی مگر آج خود کٹر سے کٹر سائنس دانوں کی اجسام کے ذہن سے باہر خارجی وجود کی بظاہر بے تکلف صاف سیدھی منطق یا باتوں کا خاتمہ ہو چکا ہے اور ماہرین طبعیات (فزکس) ہم کو یقین دلا رہے ہیں کہ مادہ

جیسی کوئی شے سرے سے کوئی وجود ہی نہیں رکھتی۔ دوسری طرف ماہرین نفسیات باور کرا رہے ہیں کہ ذہن جیسی کوچیز نہیں۔

طبیعات کی بنیاد پر آج جو کچھ ہم کہہ سکے ہیں وہ یہ ہے کہ جس کو اب تک ہم اپنا جسم کہتے رہے ہیں وہ درحقیقت بڑی دیدہ ریزی سے بنائی ایک سائنسی "تشکیل یا ڈھانچہ ہے جس کے مطابق کوئی خارجی طبیعت پائی ہی نہیں جاتی۔ آج کا جدید مادہ پرست بننے کی کوشش کرنے والا اپنے کو عجیب کشمکش میں پاتا ہے کیونکہ جہاں ایک طرف ایک خاص حد تک ذہن کے افعال کو کامیابی کے ساتھ جسم کے افعال کے ماتحت ثابت کر سکتا ہے وہاں دوسری طرف اس واقعہ سے بھی مفر نہیں پاتا کہ جسم کے بجائے خود محض ذہن کا ایجاد کیا ہوا ایک سہولت پیدا کرنے والا تصور ہے۔

سیدھا سادا عام آدمی مادی چیزوں کو یقینی ہی پاتا ہے کیونکہ وہ حواس کے لئے بالکل بدیہی ہوتی ہیں اور جو کچھ بھی مشکوک اتنا یقینی ہے کہ جس چیز کو تم ٹھوکر مارتے ہو دھکیلتے ہو دھکا دیتے ہو یا جس سے ٹکراتے ہو اس کو حقیقی یا واقعی ہی ہونا چاہئے۔

(مذہب وسائنس ص ۱۰۱)

سر ایڈنگٹن۔ سائنسدان

موجودہ تمام علماء طبعیات کا یہ اعلان واعتراف ہے کہ طبعیات خارجی صداقت یا اس کے کسی جزو حصہ تک کا کوئی علم عطا نہیں کرتی میرے اس دعوے کی توثیق ہے کہ طبعیاتی طریقوں سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ تمام تر ذہنی منصوبہ ہوتا ہے جس طرح الفاظ اشیاء کے نمائندہ یا مماثل نہیں ہوتے محض ان کی علامات یا اسماء ہوتے ہیں جیسے روٹی کا لفظ روٹی کی واقعی شکل وصورت۔ رنگ وبو وغیرہ کی کوئی تصویر یا عکس ونقشہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہم اشیاء خارجی کے جو احساسات وادراکات رکھتے ہیں وہ ان کی واقعی حقیقت و نوعیت کو نمایاں کرنے والی کوئی تصویر یا مسمی مطلقاً نہیں ہوتے بلکہ محض ان کی علامات یا

آیات ہوتی ہیں۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ جیسے ریاضی و ہندسہ میں الف۔ ب۔ ج وغیرہ حروف محض علامات ہیں۔ ویسے ہی الیکٹران پروٹان وغیرہ طبعیات کے الف۔ ب ج ہیں۔

طبعیات کا حاصل اب کچھ ریاضیاتی علامات اور ان کی مساواتیں رہ گئی ہیں۔ یہ علامات کسی شے یا حقیقت کی نہیں ان کا پراسرار جواب یہ ہے کہ طبعیات کو اس سے مطلب نہیں۔ نہ ان کے پاس ان علامات کی تہہ میں جانے کا کوئی ذریعہ ہے۔

ان علامات یا آیات کے پس پردہ جو شے کام کر رہی ہے اس کی حقیقت کے متعلق قطعی حکم لگانا تو بہت دور رہا طبعیات کو تو اس کے برعکس انتہائی قطعیت کے ساتھ اصرار ہے کہ اس کے طریقے تو علامیت کے پس پردہ کسی طرح جا ہی نہیں سکتے۔ غرض اس طرح طبعیات کی خارجی دنیا محض سایوں یا اظلال کی دنیا بن کر رہ گئی ہے۔

باقی رہی وہ حقیقت جو ان سایوں کے پیچھے روپوش ہے اس کی حیثیت و نوعیت کے بحث فلسفہ دانوں کا کام ہے خلاصہ یہ ہے کہ

اس بات کا واضح علم و اعتراف کہ طبعی سائنس کا تعلق بالکلیہ سایوں کی دنیا سے ہے۔ یہ سائنس کی موجودہ ترقیوں کا نہایت اہم اور معنی خیز حاصل ہے۔

میں یہاں دنیا کی ظلالی اور علاماتی یا آیاتی نوعیت پر فلسفیانہ حیثیت سے اصرار نہیں کر رہا ہوں بلکہ اس حیثیت سے کہ ہمارے روزمرہ کے معمولی و مانوس سے تصورات و خیالات سے آج کی سائنسی یا طبعیاتی دنیا کس درجہ بے تعلق اور دور جا پڑی ہے۔

اور اگر تم ہماری معمولی (محسوس) دنیا سے سائنس دنیا کی اس دوری و بے تعلقی کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہو تو پھر تم کو موجودہ سائنسی نظریات سے غالباً کوئی ہمدردی و دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ تم ان کو سرے سے نامعقول بلکہ مضحکہ خیز خیال کرو جیسا کہ بہتیرے کرنے بھی ہوں گے۔

(مذہب و سائنس 104-103)

برٹرینڈ رسل۔ مشہور فلسفی

سائنس کی حالیہ ترقیوں نے ایک بہت بڑی تکلیف دہ اس صورت حال سے دوچار کر دیا ہے کہ ہر ترقی ہمارے علم کو اس سے بھی کم کر دیتی ہے جسے ہم پہلے حاصل سمجھتے تھے۔

علم کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا جا رہا ہے اتنا ہی عدم علم یا نامعلوم کا رقبہ بھی وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور جتنا زیادہ ہم نامعلوم میں گھستے ہیں۔ اتنا ہی جو کچھ وہاں ہم کو ملتا ہے اس کو صاف وسادہ قابل فہم الفاظ میں بیان کرنا دشوار ہوتا ہے۔

(مذہب وسائنس ص 107)

ڈیکارٹ۔ فلسفی

سائنس کو اس بات سے کوئی مطلب وسروکار نہیں کہ کوئی شے بجائے خود کیا ہے؟ اس کو موجودات کی محض ظاہری حقیقت یا نوعیت سے بحث ہوتی ہے یعنی موجود یا کسی شے کے دوسری اشیاء کے ساتھ باہمی تعلق۔

سائنس، مذہب یا دینیات سے بھی کہیں زیادہ تغیر پذیر یا ناپائیدار ہوتی ہے۔ سائنس کا کوئی آدمی گلیلیو یا نیوٹن کی باتوں کی غیر مشروط طور پر تائید نہیں کر سکتا۔ نہ اپنے دس سال والے سائنسی عقائد کی۔

(مذہب وسائنس ص 126 مصنف عبدالباری ندوی)

اس مادہ اور قوت کے بندھے ہوئے مقررہ طریق عمل اور اصول کا نام فطرت اور قوانین فطرت ہے۔ ساری کائنات ارضی وسماوی اس مادہ اور اس کے قوانین فطرت کی پیداوار ہے اس کے علاوہ یا ماسوا کسی مستقل وموجود صاحب خلق وامر ذات یا خدا کی احتیاج قطعاً نہیں۔ قوانین فطرت خود بخود ہی خدؤں کی مداخلت کے بغیر سب کچھ کرتے

ہیں مادہ خالی ہیولیٰ یا محض منفعل ذات نہیں جیسا کہ فلاسفہ اس کی تصویر بناتے ہیں۔ بلکہ وہ بجائے خود ایسی مادر کائنات ہے جو اپنے ہی اسم سے تمام نتائج برآمد کر لیتی ہے۔

(مذہب و عقلیات و مذہب و سائنس 146)

ہماری محسوس دنیا کا جوں کا توں وجود خود ہمارے لئے احساسات ذہن سے باہر تو کسی طرح ثابت نہیں رہا ہے۔ انیسویں صدی کے سائنس دانوں کے نزدیک نفسیاتی یا ذہنی مظاہر کی کوئی توجیہ دماغ کی طبعیات و کیمیا سے ہو سکتی تھی لیکن اب کوانٹم نظریہ کی مدد سے اس کی کوئی گنجائش نہیں رہی بلکہ کوانٹم نظریہ فطرت کی کامل خارجی تشریح کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

(مذہب و سائنس ص ۱۴۹)

وہائٹ ہڈ۔ سائنس دان

فزیکل سائنس کے طے شدہ اصول کی شکست و ریخت نے بھی فلسفہ کی بحالی کو آسان کر دیا۔ ورنہ اس شکست و ریخت تک سائنس بحفاظت تمام مادہ مکان و زمان اور آخر میں انرجی طاقت کے تصورات پر مضبوطی سے قائم رہی۔

(مذہب و سائنس ص ۱۵۰ مصنف عبدالباری ندوی)

سر ایڈنگٹن۔ سائنسدان

سائنس کو اب اپنی رسائی کی محدودیت کا احساس زیادہ ہو گیا ہے۔ مظاہر کائنات کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جن تک رسائی سائنسی بحث و تحقیق جا ہی نہیں سکتی۔ لیکن اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ وہ پہلو نظر انداز کرنے کے لائق ہیں۔ سائنس کے علاوہ مذہبی و جمالیاتی وجدانیات کی سی علم کی دوسری قسمیں بھی ہیں۔ جن کو وہمی یا قیاسی کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا۔ سائنسی علم بھی وہ سب کچھ نہیں جو ہم جانتے ہیں یا جس کا جاننا

ہمارے لئے ضروری ہے۔ سائنس کا اپنی محدودیت کا نیا شعور یا احساس انکسار آج کے سائنسی انقلاب کا ایک بڑا اہم عنصر یا نتیجہ ہے۔

(مذہب وسائنس ص ۱۵۶)

فلپ فرانک۔ سائنسدان

ہماری صدی کی سائنسی ترقی نے اس حقیقت کو زیادہ سے زیادہ ہی واضح کر دیا ہے کہ سائنس کے اصول ایسی علامات یا آیات کا نظام ہیں جس کو خود سائنس دان کے تخلیقی تخیل نے پیدا کر لیا ہے۔ بنیادی طور پر سائنسدان کا کام یا کارنامہ غالباً شاعر کے کارنامے سے مختلف نہیں حقیقت نہ پوری طرح سائنس دان کی گرفت میں آتی ہے نہ شاعر کی حقیقت کا صرف تجربہ ہی کیا جاسکتا ہے بیان یا پیش ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ ہم اتنا بھی نہیں جان سکتے کہ حقیقت کو پیش یا بیان کرنے کے کیا معنی ہوں گے۔ ہر بیان واظہار خواہ سائنسی ہو یا شاعرانہ چلتا علامات آفرینی ہی سے ہے۔ سائنس دیگر تمام قسم کے علموں کی طرح صرف علامات کی نظام سازیوں کے سوا اور کچھ نہیں اور الفاظ بھی علامات کی ایک قسم ہیں۔

(مذہب وسائنس ص ۱۵۸ مصنف عبدالباری قدوی)

ٹوائن بی۔ برطانوی مورخ

انسانی تہذیب کی چار ہزار برس کی تاریخ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ صرف گذشتہ ڈیڑھ سو برس سے انسانیت جدید مغربی تصورات کے زیر اثر آئی ہے۔ اس سے پہلے تمام نوع انسانی کے ذہن پر مشرقی (اسلامی وغیر اسلامی) تصورات کی حکومت تھی۔ جب سے حیات انسانی اور اس کی جدوجہد مغربی تصورات کے زیر اثر آئی ہے، اس وقت سے آج تک مجموعی ہلاکت جو انسان کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ چار ہزار برس کے مقابلہ

میں ڈیڑھ سو برس میں زیادہ ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانیت اپنے مفادات کی بنا پر گروہوں میں بٹ چکی ہے اور یہ گروہ فرائض کے حوالے سے بغیر مطالبہ حقوق کی بناء پر منظم ہوئے ہیں۔ مگر فرائض کے حوالے کے بغیر مطالبہ حقوق تصادم کی دعوت کے مترادف ہے۔ اس لئے مطالبہ حقوق پر منظم ہونے والا ہر گروہ ایک دوسرے سے برسرپیکار ہے یا اس کے لئے تیار ہو رہا ہے۔ حالانکہ زندگی تعاون کا عمل ہے اور اس کے تقاضے عطا و قبول سے پورے ہوتے ہیں اور فرائض کے حوالے کے بغیر حقوق کا نعرہ زندگی کی اس فطرت کے خلاف ہے جس پر اسے وضع کیا گیا ہے۔ لہٰذا کوئی مشترک زاویۂ نگاہ پیدا نہیں ہو سکتا اور تضاد و کشمکش اور تصادم ضروری ہے۔

(قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل ۸۴۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی)

پروفیسر جوڈ۔ مورخ

ہماری حیرت انگیز صنعتی فتوحات اور ہمارے شرمناک اخلاقی بچپن کے درمیان جو فرق ہے اس سے ہمارا ہر موڑ پر سابقہ پڑتا ہے، ایک طرف ہماری صنعتی ترقیوں کا یہ حال ہے کہ ہم بیٹھے بیٹھے سمندر پار سے ایک براعظم سے دوسرے براعظم کے لوگوں سے بے تکلف باتیں کر سکتے ہیں۔ سمندر کے اوپر اور زمین کے نیچے دوڑتے پھرتے ہیں ریڈیو کے ذریعہ سیلون میں گھر بیٹھے لندن کے بڑے گھنٹے کی آواز سنا کرتے ہیں۔ کھیاں بجلی سے پکوائی جا سکتی ہیں۔ تصویریں بولتی اور گاتی ہیں لیکن ان سب کے باوجود ہم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے اپنے بڑے بڑے شہروں میں کوئی غریب خانہ کھولیں جہاں غریب سکون سے رہ سکیں۔ جس کی وجہ سے دو ہزار بچے ہلاک ہو جاتے ہیں اور نوے ہزار زخمی ہو جاتے ہیں۔

(مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر انسانی دنیا میں ص ۲۶۵۔ مصنف ابوالحسن علی ندوی)

ڈاکٹر الکسس کیرل۔ مشہور مغربی سائنسدان

موجودہ نظام۔ نظام زندگی انسان کو رغبت دیتی ہے کہ وہ دولت کو ہر ممکن ذریعہ سے حاصل کرے لیکن یہ ذرائع انسان کو دولت کے مقصد تک نہیں پہنچاتے۔ یہ انسان میں ایک دائمی ہیجان و پریشانی اور جنسی خواہشات کی تسکین کا ایک سطحی جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ ان کے اثر سے انسان صبر وضبط سے خالی ہو جاتا ہے اور ہر ایسے کام سے گریز کرتا ہے جو ذرا دشوار اور صبر آزما ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب جدید ایسے انسان پیدا ہی نہیں کرسکتی جن میں فنی تخلیق، ذکاوت اور جرأت ہو، ہر ملک کے صاحب اقتدار طبقہ میں جس کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے ذہنی اور اخلاقی قابلیت میں نمایاں انحطاط و زوال نظر آتا ہے، ہم محسوس کر رہے ہیں کہ تہذیب جدید نے ان بڑی بڑی امیدوں کو پورا نہیں کیا جو انسانیت نے اس سے وابستہ کی تھیں اور وہ ان لوگوں کو پیدا کرنے میں ناکام رہی ہے جو ذہانت اور جرأت کے مالک ہوں اور تہذیب کو اس دشوار گذار راستہ پر سلامتی کے ساتھ لے جاسکیں جس پر آج وہ ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ افراد انسانی نے اس تیزی کے ساتھ ترقی نہیں کی جس تیزی کے ساتھ ان اداروں نے ترقی کی ہے جو انسانی دماغ کا نتیجہ ہیں۔ یہ دراصل سیاسی راہنماؤں کے ذہنی اور اخلاقی نقائص کا نتیجہ ہے اور ان کی اس جہالت کا جس نے موجودہ اقوام کو خطرہ میں ڈال دیا ہے، طبعی علوم اور صنعتی فنون نے انسان کے لئے جو ماحول تیار کیا ہے وہ انسان کے مناسب حال نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ برجستہ واتفاق ہے کسی سابقہ نقشہ یا غور وفکر پر مبنی نہیں اور اس میں انسان کی شخصیت کے ساتھ مطابقت کا لحاظ نہیں رکھا گیا، یہ ماحول جو محض ہماری ذہانت اور ایجادات کی تخلیق ہے ہمارے قد وقامت اور ہماری صورت کے مطابق نہیں ہم خوش نہیں ہیں۔ ہم ایک روز افزوں اخلاقی اور عقلی انحطاط وزوال میں مبتلا ہیں۔

جن قوموں میں صنعتی تمدن پھلا پھولا اور اپنے عروج کو پہنچا ہے وہ پہلے سے

بہت کمزور ہیں اور وہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ وحشت و بربریت کی طرف بڑھ رہی ہیں۔لیکن ان کو اس کا احساس نہیں ان کو اس وقت اس باغی دشمن انسانیت ماحول سے کوئی قوت بچا نہیں سکتی جو طبعی علوم نے ان کے گرد قلعہ کی طرح کھینچ دی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری تہذیب نے پچھلی تہذیبوں کی طرح زندگی کے لئے ایسی شرطیں عائد کردی ہیں۔ جو (نامعلوم اسباب کی بنا پر) زندگی کو ناممکن العمل بنا دیں گی، ہم مادیت کا جتنا علم رکھتے ہیں اس کے مقابلہ میں زندگی کا علم اور یہ کہ انسان کو کس طرح زندگی گزارنی چاہیے بہت کم رکھتے ہیں اور ہمارا علم اس بارہ میں ابھی تک بہت پیچھے ہے، اور اس کم علمی کا نقصان بھگت رہے ہیں۔ ایجادات میں جس تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے ہلاکتیں اسی تناسب سے بڑھ رہی ہیں۔ طبعی علوم فلکیات اور علم الکیمیا کے اکتشافات کو زیادہ اہمیت دینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ راحت۔ تعیش۔ جمال۔ جسامت اور تکلفات زندگی میں اضافہ و ترقی سے کیا فائدہ، جب ہمارا ضعف اس سے فائدہ نہ اٹھانے دے ایسے نظام زندگی کو مضبوط سے مضبوط بنانے سے کیا فائدہ جس سے اخلاقی پہلو بالکل خارج کر دیا جائے اور عظیم قوموں کی بہترین صفات نکال دی جائیں۔ ہمارے لئے مناسب بات یہ تھی کہ تیز رفتار جہازوں زیادہ آرام دہ موٹروں زیادہ سستے ریڈیو اور زیادہ عمدہ رسدگاہوں کے بجائے اپنے آپ کی طرف زیادہ توجہ کریں میکانکی طبعی اور کیمیاوی علوم کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ہم کو ذہانت بخشیں اور اخلاقی نظام، اعصابی توازن اور امن وسکون عطا کریں۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص 268-266)

پروفیسر جوڈ۔ مورخ

ڈزریلی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی سوسائٹی کا اعتقاد تھا کہ تمدن نام ہے راحت کا لیکن جہاں تک ہمارے زمانے کے معاشرہ کا تعلق ہے۔ واقعہ یہ

ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ تمدن نام ہے سرعت وجلد بازی کا، سرعت موجودہ زمانے کے نوجوان کا دیوتا معبود اور محبوب ہے۔ اس کے آستانہ پر وہ سکون، راحت، امن اور دوسروں کے ساتھ مہربانی کو بڑی بے دردی کے ساتھ بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص 269)

پروفیسر جوڈ۔ مورخ

بلاشبہ ہم بڑی سرعت و تیز رفتاری کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف سفر کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی بات دیکھنے کی ہے کہ جن مقامات کا ہم سفر کرتے ہیں وہ بہت کم اس قابل ہیں کہ ان کی طرف سفر کیا جائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاحوں کے لئے زمین سمٹ گئی ہے اور اس کی طنابیں کھنچ گئی ہیں قومیں ایک دوسرے کے قریب ہو گئی ہیں اور ان کے پاؤں ایک دوسرے کی دہلیز پر ہیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوموں کے آپس میں تعلقات پہلے سے زیادہ ناخوشگوار ہیں وہ وسائل جن سے ہم اپنے ہمسایہ قوموں سے براہ راست واقف ہو جاتے ہیں انہوں نے الٹا دنیا کو جنگ کی آگ میں جھونک دیا ہے ہم نے آواز پہنچانے کا آلہ ایجاد کیا اور اس کے ذریعہ اپنی ہمسایہ قوموں سے باتیں کیں لیکن اس کا انجام یہ ہے کہ آج ہر قوم آواز کی پوری طاقت کے ساتھ اپنی ہمسایہ قوم کو چھیڑنے اور دق کرنے کا کام لے رہی ہے، وہ اس کوشش میں رہتی ہے کہ وہ دوسری قوم کو اپنے سیاسی نظام کی برتری کا قائل و معتقد بنا دے۔ دیکھنا ہے کہ مورخ اس کے متعلق کیا رائے قائم کرتا ہے کہ ہم دھاتوں اور سونے کو کس طرح استعمال کرتے تھے وہ لکھے گا کہ ہم نے ایسی ترقی کر لی تھی کہ لاسلکی کے ذریعہ سونے کی اطلاعات دے سکیں، وہ ایسی تصویریں پیش کرے گا جو دکھائی دیں گی کہ بینک کے لوگ کس صفائی اور مشاقی کے ساتھ سونے کا وزن اور شمار کرتے تھے وہ اس خارق عادت طریقہ کا ذکر کرے گا جس سے ہم روزانہ سونے کو ایک سلطنت سے دوسری سلطنت کی طرف منتقل کرتے تھے اور

کشش اجسام کے قانون کو توڑتے تھے، وہ قلم بند کرے گا کہ یہ نیم وحشی صنعتوں میں بڑے ماہر اور جری تھے لیکن اس بین الاقوامی تعاون میں ناکام تھے، جو سونے پر کنٹرول رکھے اور اس کو صحیح طور پر تقسیم کرے۔ ان کو صرف اتنی فکر تھی کہ وہ قیمتی دھاتوں کی امکانی سرعت کے ساتھ دفن کر دیں وہ سونے اور دھاتوں کو افریقہ میں زمین کے شکم سے بڑی مہارت کے ساتھ نکالتے تھے اور لندن، نیویارک اور پیرس کے محافظ خانوں میں دفن کرتے تھے۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص 271-270)

مسٹر ریڈن۔ سائنسدان و مورخ

جب تک کچھ کیا جائے اور خبر لی جائے اس دنیا کے باشندے اس صدی کے پچھلے حصے میں غاروں میں زندگی گذارنے والے دنیا کے قدیم وحشیوں کا طرز زندگی اختیار کر لیں گے۔ (معاذ اللہ) اور اسی وحشت و بربریت کا دور شروع ہو جائے گا جو ہزاروں سال پہلے دنیا میں قائم تھا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ تمام ممالک ایک ایسے ہتھیار سے بچنے کے لئے کروڑوں روپیہ صرف کر رہے ہیں جس سے ہیں تو سب خائف مگر اس کو قابو میں رکھنے پر راضی نہیں ہوتے ہیں۔ میں بعض اوقات تعجب سے سوچتا ہوں کہ اگر کسی دوسرے سیارے کے لوگ یا سیاح اور زائر اس زمین پر آئے تو وہ ہماری اس دنیا کو دیکھ کر کیا کہے گا وہ دیکھے گا کہ ہم سب اپنی ہی بربادی اور ہلاکت کے وسائل تیار کر رہے ہیں اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کو اس طریقہ کی اطلاع بھی دے رہے ہیں۔

جس وقت مسٹر ایڈن نے یہ الفاظ کہے تھے، اس وقت ان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ اس جنگ کے دوران ہی میں خدا ناشناس انسانی حکمت وصنعت کی ہلاکت خیزی اور آدم کشی اس درجہ کو پہنچ جائے گی کہ خود سائنسدان بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے تھے کئی سال کی منظم جدوجہد اور کروڑوں روپیہ کے صرف سے بالآخر امریکی ذراتی بم کے ایجاد میں

کامیاب ہو گیا جس پر اس جنگ کی شکست و فتح کا انحصار تھا اور 16 جولائی 1945ء کو ساڑھے 5 بجے اس قوت و وسعت کا امتحان کیا گیا۔

اسٹورٹ گلڈر۔ نامہ نگار مضمون نگار

اگر چہ پوری تفصیلات کا علم نہ تھا لیکن بہر حال ایٹم بم بنانے والے سائنسدان اتنا ضرور جانتے تھے کہ وہ جس آلۂ جنگ کو استعمال کرنے جا رہے ہیں اس کے ثانوی نتائج یہ ہوں گے کہ انسانیت فنا ہونے سے اپنے کو محفوظ نہ رکھ سکے گی۔

اس کے ثانوی نتائج کی اگر تفصیل معلوم کرنی ہے تو شہر ہیروشیما کی وہ رپورٹیں جو اخبارات کے نامہ نگاروں کو ملی ہیں ملاحظہ فرمائیں یہ خبر ساری دنیا کو لرزا دینے اور ڈرا دینے والی ہے، دنیا اب تک نہ تو اس خوفناک بم سے واقف تھی اور نہ ریڈیائی تاثیر رکھنے والی دھاتوں سے لیکن سائنسدان تو تیس سال قبل جانتے تھے کہ یہ ایک ایسا ہتھیار ہو گا جس کا توڑ اور تریاق کہیں نہیں اور یہ ساری نوع انسان کے لئے مہلک اور تباہ کن ہے۔

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص 274

پروفیسر جوڈ۔ صدر شعبۂ فلسفہ و علم النفس لندن یونیورسٹی

صدیوں سے انگلستان کے تخیل پر دولت اندوزی کا اصول غالب ہے (یہ اصول انگلستان کے لئے خاص نہیں بلکہ تمام عالم اس کی گرفت میں ہے) حصول دولت کی خواہشیں پچھلے دو سو سال سے دیگر جملہ محرکات عمل سے زیادہ کام کرتی ہیں کیونکہ دولت حصول ملکیت کا ذریعہ ہے اور ذاتی ملکیت کی بہتات اور شان و عظمت ہی سے انسان کی قابلیت کا اندازہ کیا جاتا ہے، سیاسیات ادب، سینما، ریڈیو اور کبھی کبھی گرجاؤں میں منبروں پر سے سال بسال اپنے پڑھنے سننے والوں کو یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ مہذب قوم وہی ہے جس میں جذبۂ حصول انتہائی طور پر ترقی کر چکا ہے۔

یہ دولت پرستی ہمارے مذہبی عقائد سے متصادم ہے کیونکہ مذہب یقین دلاتا ہے کہ غریبی اچھی اور دولت مندی بری ہی نہیں بلکہ دولت مند کو نیک بننے کا اتنا ہی کم امکان ہے جتنا کہ غریب کو زیادہ ہے۔ اگرچہ تقاضائے دانش و تعلیم و مذہب متفقہ طور پر یہی سکھاتے ہیں کہ خدا پرستی اور حصول جنت غریبی کے ساتھ ہے، تاہم لوگوں نے تعلیم مذہب کو سچا سمجھ کر اس پر عامل ہونے کا کوئی رجحان ظاہر نہیں کیا اور موجودہ حصول دولت کو مستقل حصول راحت آسمانی پر بخوشی ترجیح دیتے رہے ہیں غالباً ان کا یہ خیال رہا ہے کہ بستر مرگ پر توبہ کر کے وہ آخرت میں اتنا ہی فائدہ حاصل کر سکیں گے جتنا کہ یہاں اس دنیا میں دولت سے، ان کے اس تخیل کو سیموئیل بٹلر نے اپنی کنایوں میں یوں ظاہر کیا ہے کہ بد شعار مصنفین کہتے ہیں کہ ہم خدا اور دولت کی ساتھ ساتھ پوجا کرتے ہیں۔ ہم تسلیم کر سکتے ہیں کہ یہ آسان نہیں لیکن قابل حصول چیزیں آسان ہوتی ہیں کب ہیں۔ ہمارے اصول کچھ ہی کیوں نہ ہو، واقعہ یہ ہے کہ ہم عملاً بٹلر کے مقلد ہیں۔ ہم دولت کے اتنے دلدادہ ہیں اور ہمارا یہ اعتقاد کہ دولت ہی فرد و سلطنت کی عظمت کا باعث ہوتی۔ اس قدر راسخ ہے کہ اس سے دنیا کے دو محرک اصول قائم کئے گئے ہیں کہ اس سے دنیا کے دو محرک اصول قائم کئے گئے ہیں جو کہ اعلیٰ تاریخ کی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک عدم مداخلت کا معاشی اصول ہے جو کہ انیسویں صدی پر غالب رہا۔ اس اصول کا دعویٰ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے عمل کو زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ پر منحصر رکھتا ہے گویا ان کا مذہب لذتیت ہے کہ عمل کا محرک لذت نہیں بلکہ لذت تقاضائے دولت ہے۔

دوسرا اصول جو کہ بیسویں صدی میں غالب نظر آتا ہے مارکس کا اصول معاشی تقدیر و تنظیم ہے۔ یہ اصول بتاتا ہے کہ انسان کا معاشی نظام ہمیشہ ان کی مالی ضروریات پر مبنی ہوتا ہے، اور یہی نظام ان کے ادب اخلاقیات، مذہب، منطق، نیز نظام حکومت کا خالق ہوتا ہے۔ ان دونوں اصولوں کی مقبولیت کا انحصار اسی قدر و منزلت پر ہے جو کہ ہمارے مرد و عورت نمایاں طور پر دولت کے انفرادی اور سیاسی معیار حسن پر رکھتے ہیں۔

جو نظریہ حیات اس زمانہ پر مستولی و غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر مسئلہ اور معاملہ کو پیٹ اور جیب کے نقطۂ نظر سے دیکھنا اور جانچنا ہے۔

انگریز ہفتہ میں چھ روز پرستش و پوجا تو بینک آف انگلینڈ کی کرتا ہے صرف ساتویں روز کلیسائے انگلستان کا رخ کرتا ہے۔

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر 232-230)

موجودہ مغربی تمدن کا مرکز قدیم یونانی تمدن تھا۔ اس کا اصل اصول انسان کی تمام قوتوں کا ہم آہنگ نشوونما اور سب سے زیادہ اور سب سے بڑا معیار خوبصورت اور سڈول جسم سمجھا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ اس میں زیادہ زور محسوسات پر ہے جسمانی تربیتی، ورزشی کھیلوں اور رقص وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ذہنی تعلیم جو شاعری، موسیقی، ڈراما، فلسفہ سائنس وغیرہ پر مشتمل تھی۔ ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی تا کہ ذہن کی ترقی سے جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچائے یونان کے مذہب میں نہ روحانیت کا عنصر ہے نہ باطنیت کا نہ علم دین ہے نہ پیشوایان دین کا طبقہ۔

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۱۹۹۔ خالدہ ادیب خانم

برونو بٹیل ہائم

غشیات کی لے کی طرح ہمارا معاشرہ بلا سوچے سمجھے زندگی کو زیادہ سے زیادہ میکانکی اور مشینی بنانے میں تیزی سے مصروف ہے اس توقع کے ساتھ کہ موجودہ ٹیکنالوجی سے جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں وہ ٹیکنالوجی میں اضافہ اور توسیع سے حل ہو جائیں گے۔ اس معاملے میں ہمارا طرز عمل اس شرابی جیسا ہے جو پچھلے خمار کی تلخی سے نجات پانے کے لئے شراب کا ایک نیا دور چلا لیتا ہے۔ جدید انسان کا المیہ یہ ہے کہ وہ دو چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرنے سے قاصر ہے۔ اپنی آزادی اور انفرادیت کی قربانی یا ٹیکنالوجی کی مادی آسائشوں سے دست برداری میری نظر میں یہی ہمارے دور کی سب سے بڑی

کشمکش ہے۔

(روایت نمبر 2 ص 199-198)

سر جل نیو مان۔امریکی ملٹری (فوجی)

سٹاف کارکن

آئندہ جنگ محض فوجوں کی لڑائی نہیں ہوگی بلکہ اسے ایک قتل عام کہنا چاہیے جس میں عورتوں اور بچوں تک کو نہ چھوڑا جائے گا۔سائنس کی عقل نے جنگ کا کام سپاہیوں سے چھین کر کیمیاوی مرکبات اور بے روح آلات کے سپرد کر دیا ہے جو مقاتل جنگ لڑنے والے نہ لڑنے والے ہیں فرق کرنے سے قاصر ہیں اب جنگی طاقتوں کی لڑائی میدانوں اور قلعوں میں نہیں بلکہ شہروں اور بستیوں میں ہوگی کیونکہ جدید نظریہ جنگ کے مطابق فریق مخالف کی اصلی قوت فوجوں میں نہیں بلکہ اس کی آبادیوں، اس کی تجارتی منڈیوں اور صنعتی کارخانوں میں ہے اب ہوائی جہازوں سے طرح طرح کے بم برسائے جائیں گے جن سے آتش فشاں مادے زہریلی ہوائیں، امراض کے جراثیم نکل کر وقت واحد میں ہزاروں لاکھوں کی آبادی کو نیست و نابود کر دیں گے۔

(تنقیحات۔ابوالاعلیٰ مودودی ص 58)

لارڈ لوعقین۔صحافی آکسفورڈ کا تعلیم یافتہ۔

برطانوی افسر

ایک اور مسئلہ تحقیق طلب ہے۔جس کی طرف آج میں آپ کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔کیا ہندوستان دور جدید کی سائنٹفک (سائنسی تجرباتی، مشاہداتی) اور عقلی تعلیم

کے اس شدید نقصان سے بچ سکتا ہے۔ جس میں یورپ اور امریکہ آج گرفتار ہیں؟

مغرب میں حکمت جدید سے دو بڑے نتیجے رونما ہوئے ہیں ایک طرف تو اس نے فطرت اور اس کی طاقتوں پر انسان کی پہنچ کو زیادہ وسیع کر دیا دوسری طرف اس نے یونیورسٹیوں کے تعلیم پائے ہوئے لوگوں میں اور عموماً ساری دنیا میں موروثی مذہب کے اقتدار و حکومت کو کمزور کر دیا۔

دنیا جدید کی کم از کم آدھی خرابیاں انہی دو اسباب سے پیدا ہوئی ہے۔ (یہ بھی تصور آدھی خرابیاں بھی اسی کا غلبہ ہے ورنہ کل ہلاکتیں اور خرابیاں عقل و سائنس کو مقدم کرنے اور دین و مذہب کو موخر کرنے سے ہوئی ہیں) تہذیب یافتہ (وحشی مہذب) آدمی ان طاقتوں کے نشے سے چور ہو گیا ہے جو سائنس نے اس کو فراہم کر دی ہیں۔ مگر اس نے حلم اور تمدن کی ترقی کے ساتھ اخلاص میں ترقی نہیں کی۔ جو اس بات کی ضامن ہو سکتی تھی کہ یہ طاقتیں انسان کی تباہی میں معاون و مددگار ہیں۔ سائنٹفک اسپرٹ (روح تحقیق) نے یہ تو ضرور کیا کہ رفتہ رفتہ پرانے توہمات کو دور کر دیا۔ علم کے دائرے کو پھیلا دیا اور اس طرح مردوں اور عورتوں کو ان بہت سی قیود سے آزاد کر دیا جن میں وہ پہلے جکڑے تھے۔ (یورپی احمق کا تبصرہ دیکھیں اوپر سے لوگوں کی ہلاکت کا سبب ترک مذہب و گرفتاری عقل و سائنس کو قرار دے رہا ہے لیکن دوسرے پہلو سے اسی کو توہمات کہہ رہا ہے) مگر اس کے ساتھ میں نے یہ بھی کیا کہ انسان کو روحانی اور مذہبی صداقت کا شدت حاجت مند بنا کر چھوڑ دیا اور اس صداقت تک پہنچنے کا کوئی راستہ فراہم نہ کیا اکثر اہل مغرب کا یہ حال ہے کہ وہ بچوں کی طرح تیز رفتاری اور عجوبہ گری اور حواس کی لذتوں کے شوق میں منہمک ہیں سادہ زندگی بسر کرنے کی صلاحیت ان سے ختم کر دی گئی ہے اور عملاً ان کا کوئی ربط اس لامحدود ازلی و ابدی حقیقت سے باقی نہیں رہا ہے جسے مذہب پیش کرتا ہے۔

مذہب جو انسان کو ضروری راہنما اور انسانی زندگی کو اخلاقی مقصد شرف اور معنویت حاصل ہونے کا واحد ذریعہ ہے اس کے اقتدار میں زوال آ جانے کا نتیجہ ہم دیکھ

رہے ہیں کہ مغربی دنیا ان سیاسی مسلکوں کی گرویدہ اور دیوانی ہوگئی ہے جو نسلی یا طبقاتی بنیادوں پر قائم ہیں اور سائنس کی اس صورت پر ایمان لے آئی ہے جو محض مادی ترقی کو منتہائے مقصود قرار دیتی اور زندگی کو روز روز پیچیدہ اور مشکل اور گراں بار بنائے چلی جاتی ہے۔ پھر یہ بھی اس کا نتیجہ ہے کہ آج یورپ کے لئے اپنی روح اور اپنی زندگی میں اس اتحاد کا پیدا کرنا دشوار ہو رہا ہے جو اس کو موجودہ دور کی سب سے بڑی مصیبت قوم پرستی سے نجات دلائے۔

انسان آج صرف اس وجہ سے مذہب کی طرف دیکھ رہا ہے کہ سائنس نے اس کی مشکلات کو حل کرنے کے بجائے اور زیادہ بڑھا دیا ہے اس لئے وہ مذہب سے اپنے شکوک وشبہات اور مشکلات کا حل طلب کرنے میں اتنا بے چین ہے جتنا اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔

(تنقیحات ص 72-71 ابوالاعلی مودودی)

برٹرینڈ رسل۔ فلسفی

صنعتی دور کے اہم ترین اثرات میں ایک یہ ہے کہ عورت کے ملازمت اختیار کرنے کے سبب خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اس نے معاشی طور پر انہیں آزاد کر دیا ہے اور ان کے لئے بچوں کی پرورش کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ ایک عورت اوسط درجے کی شادی کے پرانے انداز کے بندھن کی پابند نہیں رہتی اور جب وہ مالی طور پر خود کفیل ہو جاتی ہے تو ایک مرد کی وفادار نہیں رہتی آج روایتی اخلاقیات کی پابندی کرنے والے تبدیل شدہ حالات سے خاصے حد تک متاثر ہوئے ہیں۔

لیکن جب عورت کارخانوں میں مزدوری کے لئے نکلتی ہے جس طرح اس کا شوہر کام پر جاتا ہے اور بچے اپنا زیادہ وقت اسکول میں گذارتے ہیں تو شوہر اور بیوی کے درمیان تعلقات جن کی بنیاد معاش پر ہو۔ بڑی حد تک کمزور پڑ جاتے ہیں۔ ان حالات

میں زرعی دور کی جو شادیاں ہوتی تھیں وہ اپنا وجود کھو رہی ہیں۔ عورتیں اپنی آزادی برقرار رکھنا چاہیں گی اور ایک فرد واحد کے غیر محفوظ سہارے پر زندگی گذارنا پسند نہیں کریں گی وہ اپنے بچوں کی ذمہ داری میں شوہر کی بجائے ریاست کو شریک کرنا چاہیں گی، لازمی طور پر نہیں بلکہ مسلسل بڑھتے ہوئے واقعات میں۔

(پراسپیکٹ آف انڈسٹریل وسولائزیشن، اسلام اور مغرب کا تصادم۔ اسرار الحق ص 107)

جے ٹائن بی۔ مورخ

ایک زمانہ تھا کہ انسان نے قوانین فطرت کو پاکی کا وہ مرتبہ عطا کیا جو توہم پرستی کی حد تک پہنچ گیا۔ پھر وقت کے انقلاب نے دوسری انتہا کی طرف حرکت کی اور بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ دور جدید میں انسان کے گستاخ ہاتھوں نے احترام فطرت کی چادر پارہ پارہ کر دی۔ نسل انسانی نے فطرت کی شان میں گستاخی کر کے بے حد وحساب مادی دنیاوی فوائد حاصل کیے مگر ساتھ ہی اپنے سکون خاطر دل کے چین وسکون کا خاتمہ کر کے فطرت سے بگاڑ پیدا کر کے انسان نے خود اپنی روح کا فساد مول لیا۔ روح کا یہی فساد ہے جس سے ہمارا کسان اب تک محفوظ ہے اور صدیوں سے محفوظ رہا ہے (فرنگی یورپی پاگلوں کی عقلی چال دیکھیں اگر کوئی فطری سادگی پر ہے تو اسے وحشی بے شعور کہیں گے) صنعتی ترقی جس دور میں جتنا ہوتی اسی حیثیت سے انسان کے شعور وتہذیب کا راگ ابھی لاپا جاتا سادگی اور ترقی ایک دوسرے کے مقابل کھڑی ہیں سادگی کے ساتھ سکون قلب اور ترقی کے ساتھ دلی بے سکونی وہ بجلی کی مصنوعی روشنی سے اپنی رات کو دن نہیں بناتا۔ اس کے اوقات محنت سورج کے طلوع وغروب سے مقرر ہوتے ہیں اس کا دل و دماغ خود بخود موسموں کے تغیر وتبدل کا ساتھ دیتا ہے۔ اس کی روح ساز فطرت سے ہم آہنگ رہتی ہے۔ یہاں تصنع کے پیدا کیے ہوئے ٹیڑھے پن اور انحراف راہ نہیں پاتے۔ کسان کی بات چیت، اس کی کوشش، اس کی خوراک، سادگی سے عبارت ہے یہ سادگی،

یہ فطرت کے مطابق زندگی، اہل نظر کے دل میں اس کا احترام پیدا کرتی ہے اور اس کی صحت دین و بدن کا ظاہری اور کھلم کھلا ثبوت ہے۔

یہ رئیس یہ نواب سرسبز ہوں تو کیا اور مرجھائیں تو کیا بادشاہ وقت کا ایک لفظ انہیں اسی طرح پیدا کرسکتا ہے جیسے اس کا ایک لفظ انہیں اس سے پہلے پیدا کر چکا ہے لیکن وہ جسور و سخت کوش کسان جو اپنے ملک کا سرمایۂ افتخار ہیں۔ ایک دفعہ فنا ہو جائیں تو ان کی کمی پھر کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔

(تعلیم وتہذیب ص 114-113-331 پروفیسر حمید احمد خاں)

لوئس فشر۔ مشہور اخبار نویس

عہد حاضر (دور حاضر) کے فتنہ کی اصل جڑ یہی ہے کہ انسان کے پیش نظر کوئی اصول نہیں بلکہ فوری نفع ہے اس لیے وہ ظلم و عدوان کے ہاتھوں بک گیا ہے۔ سیاسی میدانوں میں وقتی مصالح اور حب الوطنی (وطن کی محبت) اٹل اصولوں سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔ عوام کی زندگی کا مقصد اپنے عقائد اور دین پر کاربند ہونا نہیں بلکہ ان کا منتہائے مقصود صرف اپنی حکومتوں کی پیروی کرنا ہے اور تباہی و بربادی کی اصل جڑ یہی ہے۔

(مغرب پر اقبال کی تنقید ص 29 ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

لن یوٹانگ۔ چینی مفکر

ہمارے افکار کا تانا بانا مادیت (دنیا پرستی) ہی سے بُنا گیا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں جنت کا خیال بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ یہ ایک ایسا گودام ہے جس میں مال ہی مال بھرا پڑا ہے۔ اس وقت پوری دنیا ایک کاروبار ہے۔ سیاسی کاروبار، معاشی کاروبار ایک قوم ایک کارخانہ اور ایک حکومت وہ میز ہے جس پر لین دین کیا جاتا ہے اور اس کے سیاستدان اس کارخانے کے سیلز مین ہیں جو ہر وقت اس ٹوہ وتلاش میں لگے رہتے ہیں کہ

اپنے مال کو دوسری منڈیوں میں اوروں سے زیادہ فروخت کریں۔
(مغرب پر اقبال کی تنقید ص 29 ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

الیکسس کیرل۔ مشہور امریکی سائنسدان

ہماری تہذیب کی یہ مادہ پرستی نہ صرف فکر انسانی کی صحیح پرواز میں مائل ہے بلکہ اس نے غور و فکر کو بھی ختم کر دیا ہے۔ اس نے شریف انسانوں کمزوروں اور بے سہارا لوگوں اور ایسے تمام انسانوں کو جو دولت کے علاوہ کوئی اور زندگی کا مقصد رکھتے ہیں نیست و نابود اور فنا کر دیا ہے۔

(مغرب پر اقبال کی تنقید ص 29 ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

پروفیسر ساروکن

موجودہ نظام کی حسی اخلاقیات (دنیاوی اعتبار سے نفع و نقصان اور نیکی و بدی کو دیکھنا اور جاننا) نے انسان کو کافی حد تک ذلیل کر دیا ہے اخلاقی قدریں بالکل مٹ گئی ہیں۔ ان کی حیثیت آج اس کے سوا کچھ نہیں کہ اگر ان سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو قبول کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ اس راہ میں رکاوٹ بنیں تو ان کو بلا تکلف ترک کر دیا جاتا ہے۔ انسانوں نے آج مصلحت پسندی موقع پرستی کو اپنا شعار و علامت بنا لیا ہے اور اس طرح انہوں نے دنیا میں مستقل کشمکش اور عناد کے بیج بو دیے ہیں۔ جب ہمارے اخلاقی معیار ہی باہم متصادم ہوں تو اخلاقی قدریں بھی لامحالہ دفن ہو کر رہ جائیں گی۔ ان حالات میں انسانوں پر سے ان کی گرفت کا ڈھیلا پڑ جانا بالکل فطری عمل ہے۔ مذہب کے اصول الفت کی جگہ اب نفرت نے لے لی ہے۔ یہاں فرد فرد کے خلاف گروہ گروہ کے خلاف قومیں قوموں کے خلاف ریاستیں ریاستوں کے خلاف اور نسلیں نسلوں کے خلاف ہر وقت حالت جنگ میں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس ایسے مذموم اصول

کی پوری دنیا میں فرماں روائی اور حکمرانی ہے اس وقت شاید ہی کوئی اخلاقی قدر ایسی ہو جو اشتراکی اور سرمایہ دار ہٹلر کے پیرو اور یہودی، انگریزی اتحاد اور جرمن اتحاد کیتھولک اور دہریے امراء اور غرباء کے درمیان مشترک ہو۔ اخلاقی معیار ایک دوسرے سے متصادم ہیں ایک گروہ کے نزدیک جو کچھ بھلائی ہے وہ ہی دوسرے کے خیال میں برائی ہے اور نسب سے بڑا المیہ اور فتنہ یہ ہے کہ حس فلسفہ (دنیاوی سائنسی غور وفکر کے ہاں کوئی ایسا پیمانہ نہیں جو سب کے لئے قابل قبول ہو۔ لہٰذا ہم ایک دوسرے کے خلاف اور جنگ میں مبتلا ہیں جن کے پاس عدل وانصاف کی کوئی ترازو نہیں اس کا نتیجہ اخلاقی انارکی کے سوا نہ کچھ ہوسکتا تھا اور نہ فی الواقع ہے۔ ہر شخص خود اپنا قانون بناتا ہے اور ہر کوئی اپنے پیش کردہ معیار ہی کو صحیح تسلیم کرتا ہے چونکہ جسمانی مسرت ولذت افادیت اور حسی دنیاوی لذت ہر فرد اور گروہ کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اس لئے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے اور جہاں تک چاہے ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ حسی دنیاوی نفسانی خواہشات کی کوئی حد نہیں ہوتی اس لیے ان کی تسکین کسی طرح بھی ممکن نہیں جہاں جسمانی لذت کے چند لوازم فراہم کرنے کے لئے ان گنت لوگ بے تاب ہوں وہاں ان کا کمیاب ہونا ضروری ہے اور ان کی قلت وکمی ہی عہد حاضر کی جنگ وجدال کا سب سے بڑا سبب ہے۔ ان حالات میں یہ ضروری ہے کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ یہ جنگ و جدال زیادہ شدید صورت حال اختیار کرے۔

(مغرب پر اقبال کی تنقید ص 31-30)



سائنسدان

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

(علامہ اقبال)

مکتبہ افکار اہلسنّت